تنظیم اسلامی کا ترجمان

23

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

29 ذوالقعدہ تا 5 ذوالحجہ 1441ھ / 21 تا 27 جولائی 2020ء

کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(ترجمہ): ”یہ چاہتے ہیں کہ اللہ (کے چراغ) کی روشنی (اسلام) کو منہ سے (پھونک مار کر) بجھادیں۔ حالانکہ اللہ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا، خواہ کافر ناخوش ہی ہوں۔“ (الصف:8)

اس آیت میں یہود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہود ہی کے بارے میں یہ بات کیوں کہی گئی کہ وہ اللہ کے نور کو گل کرنا چاہتے ہیں؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لیے جزیرہ نمائے عرب میں اس وقت مسلمانوں کے جو دشمن موجود تھے، ان پر ایک نگاہ ڈالنی ہوگی۔ ان میں سے ایک تو مشرکین تھے جن کے سرخیل قریش مکہ تھے مگر یہ بہت بہادر اور جری لوگ تھے، سامنے سے حملہ کرتے تھے، جبکہ دوسرے دشمن یہود تھے۔ یہ انتہائی بزدل تھے۔ ان کے بارے میں سورۃ حشر میں آیا ہے کہ یہ کبھی کھلے میدان میں مقابلہ نہیں کریں گے، ہاں چھپ کر قلعوں کے اندر سے پتھراؤ کریں گے۔ ابوجہل نے تو اپنے باطل ”دین“ کے لیے بھی بہر حال گردن کٹوائی مگر ان میں اس کی ہمت نہیں۔ یہ تو صرف پھونکوں سے کام چلانا چاہتے ہیں کیونکہ پروپیگنڈے اور سازشوں کے سوا ان کے پاس کچھ نہیں۔ مگر ان کی سازشوں اور پروپیگنڈے کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اللہ تعالیٰ اپنے نور کا اتمام کر کے رہے گا چاہے یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو“۔

آج کے حالات میں بھی اسی صورتحال کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ گویا ؎

آگ ہے، اولاد ابراہیم ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے؟

بعینہٖ یہی کیفیت یہود کی آج بھی ہے۔ اس وقت صہیونیت جس طرح اسلام کے اس نور کو بجھانے کی فکر میں ہے اور جس تیزی سے یہود اپنے منصوبے روبہ عمل لا رہے ہیں، اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ دنیا کی سب سے بڑی حکومت (Sole Supreme Power) کے سر پر بھی وہی سوار ہیں۔ انہوں نے اسلام کا راستہ روکنے کے لیے پوری دنیا میں اسلامی بنیاد پرستی اور انتہا پسندی کو ہوا بنا کر کھڑا کر دیا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اس شمارے میں

آیا صوفیہ
اسلامی معاشرت کے راہنما اصول
”اسلام“ آباد میں مندر کی تعمیر
قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم سنت
ڈراما ارطغرل: ایمان ساز یا ایمان سوز
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

مؤمن بھلائیوں کی طرف تیزی سے بڑھتے ہیں

سُورۃُ المُؤمِنُون | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | آیات: 57 تا 0

اِنَّ الَّذِیۡنَ ہُمۡ مِّنۡ خَشۡیَۃِ رَبِّہِمۡ مُّشۡفِقُوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ
یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۸﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ بِرَبِّہِمۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۵۹﴾ وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوۡا وَّ
قُلُوۡبُہُمۡ وَجِلَۃٌ اَنَّہُمۡ اِلٰی رَبِّہِمۡ رٰجِعُوۡنَ ﴿۶۰﴾

آیت:۵۷ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ ہُمۡ مِّنۡ خَشۡیَۃِ رَبِّہِمۡ مُّشۡفِقُوۡنَ ﴿۵۷﴾﴾ ’’یقیناً وہ لوگ جو اپنے رب کے خوف سے لرزاں وترساں رہتے ہیں۔‘‘

آیت:۵۸ ﴿وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۸﴾﴾ ’’اور وہ جو اپنے رب کی آیات پر پختہ ایمان رکھتے ہیں۔‘‘

آیت:۵۹ ﴿وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ بِرَبِّہِمۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۵۹﴾﴾ ’’اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔‘‘

شرک کے ردّ اور ابطال کے ضمن میں قرآن حکیم میں بہت تکرار ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس معاملے کو بار بار سمجھنے کی ضرورت ہے۔ شرک کی اہم اور واضح صورتوں کے بارے میں تو سب جانتے ہیں اور اجتناب بھی کرتے ہیں‘ لیکن اس کی بہت سی مخفی صورتیں بھی ہیں جو ہر دور میں ہر جگہ پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا ایک بندۂ مؤمن کے لیے ضروری ہے کہ وہ شرک کی مہلک بیماری کے بارے میں اپنے اندر باریک بینی اور دقت نظری کی ایسی صلاحیت پیدا کرلے جس کا اظہار اس شعر میں کیا گیا ہے: ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش — من اندازِ قدت را می شناسم!

(تو جس انداز کا چاہے لباس زیب تن کر لے‘ میں تجھے تمہارے قد کے انداز سے پہچان لیتا ہوں۔)

یعنی شرک جب بھی اس کے سامنے آئے‘ وہ جس روپ اور جس بھیس میں بھی ہو وہ اس کو پہچان لے۔

آیت:۶۰ ﴿وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوۡا وَّ قُلُوۡبُہُمۡ وَجِلَۃٌ اَنَّہُمۡ اِلٰی رَبِّہِمۡ رٰجِعُوۡنَ ﴿۶۰﴾﴾ ’’اور وہ جو دیتے ہیں (اللہ کی راہ میں) تو جو کچھ دیتے ہیں اس طرح دیتے ہیں کہ ان کے دل ڈرتے رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔‘‘

یعنی اللہ کی راہ میں وہ حتی المقدور صدقہ وخیرات کرتے رہتے ہیں‘ لیکن اس کے باوجود وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے بھی رہتے ہیں۔ دوسروں کی مدد کرتے ہوئے وہ انہیں کمتر اور خود کو برتر نہیں سمجھتے‘ بلکہ انہیں یہ خدشہ اور اندیشہ لاحق ہوتا ہے کہ کہیں کسی کوتاہی‘ غلطی یا خلوص کی کمی کے باعث ان کا یہ عمل اللہ کے ہاں ردنہ کر دیا جائے۔

فرمان نبویؐ

ترکِ جماعت پر وعید

عَنۡ اَبِیۡ ھُرَیۡرَۃَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ: ((لَقَدۡ ھَمَمۡتُ أَنۡ اٰمُرَ بِالصَّلَاۃِ فَتُقَامَ ثُمَّ أُخَالِفَ إِلٰی مَنَازِلِ قَوۡمٍ لَایَشۡھَدُوۡنَ الصَّلَاۃَ فَأُحَرِّقَ عَلَیۡھِمۡ)) (صحیح بخاری)

حضرت ابوہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’میں نے ارادہ کیا کہ نماز کا حکم دوں اور نماز کھڑی ہو تو میں ان لوگوں کے گھروں میں جاؤں جو نماز میں شریک نہیں ہوتے اور ان کے گھروں کو جلا دوں۔‘‘

تشریح: باجماعت نماز کی تاکید کے بارے میں کتب احادیث میں سینکڑوں احادیث موجود ہیں۔ مندرجہ بالا حدیث میں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ ترکِ جماعت کا مرتکب سخت گناہ گار ہوگا۔ لہٰذا ہر مسلمان مرد پر ضروری ہے کہ وہ مسجد میں جاکر باجماعت نماز ادا کرنے کا اہتمام کرے۔ اس بارے میں قطعاً سستی اور غفلت سے کام نہ لے۔

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت
تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب
بانی: اقتدار احمد مرحوم
29 ذوالقعدہ تا 5 ذوالحجہ 1441ھ جلد 29
21 تا 27 جولائی 2020ء شمارہ 23
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
ادارتی معاون: فریداللہ مروت
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی
''دارالاسلام'' ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 79-35473375 (042)
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ 54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 15 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 600 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا---------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیا صوفیہ

مسلمانانِ برصغیر کی سوچ، اُن کی فکر، اُن کا غم و غصہ، اُن کی خوشی اور شادمانی کبھی برصغیر تک محدود نہیں رہی۔ اِسے اُن کی طبیعت کا خاصا کہہ لیں یا اُن کی سرشت کا حصہ سمجھ لیں۔ عالم اسلام میں کہیں کوئی واقعہ ہو وہ آگے بڑھ کر اس سے متعلق ہو جاتے ہیں بلکہ اُسے خود پر مسلط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ گویا آج امتِ مسلمہ کا کوئی حقیقی وجود ہے یا نہیں، وہ تصوراتی طور پر خود کو امتِ مسلمہ کا حصہ سمجھتے ہیں۔ برصغیر کی تاریخ اِس کی گواہ ہے۔ سلطنت عثمانیہ اور ادارہ خلافت شکست و ریخت کا شکار ہوا تو آواز کہاں سے اٹھتی ہے؟ عرب دنیا تو خود اُس کے خلاف برسرپیکار تھی۔ ترکی کو اتحادیوں کے ہاتھوں چیر پھاڑ سے بچانے والا نئے ترکی کا بانی اتاترک مصطفی کمال پاشا نے خود خلافت کے ادارے کے خاتمے کا اعلان کیا تھا۔ لیکن برصغیر میں تحریکِ خلافت کے نام سے ایسی تحریک اُٹھی کہ مسلمانوں کا ازلی دشمن مہاتما گاندھی کانپ اُٹھا اور تحریک کی حمایت پر مجبور ہوا۔ یہ جو علامہ اقبال نے کہا تھا: ''چاک کر دی ترکِ نادان نے خلافت کی قبا'' یہ درحقیقت مسلمانانِ برصغیر کے جذبات کی عکاسی تھی۔ گویا خلافت سے ترکوں نے ہاتھ دھوئے اور سینہ مسلمانانِ برصغیر کا زخموں سے چُور چُور ہو گیا۔ سوویت یونین نے افغانستان میں فوجیں اُتار دیں تو اگرچہ مقابلے کے لیے امریکہ نے تمام عالم اسلام کو استعمال کیا۔ لیکن افغان مجاہدین کے لیے پاکستانیوں کا جذبہ دیدنی تھا، کتنے پاکستانی لوگ تھے جنھوں نے سرزمین افغانستان پر جام شہادت نوش کیا۔ پاکستان بننے کے بعد عالم اسلام کو چرکے اُس وقت سے زیادہ لگنے شروع ہوئے جب دنیا Bi- Polar سے Uni-Polar ہوئی۔ سوویت یونین اور اُس کے کمیونزم سے دو دو ہاتھ کرنے کے بعد امریکہ عالمِ اسلام کی طرف متوجہ ہوا کیونکہ وہ مسلمانوں کو استعمال کر کے سوویت یونین کو راستے سے ہٹا چکا تھا اور اب عالمی بادشاہت کے لیے اُس کا راستہ ہموار ہو چکا تھا۔ چنانچہ افغانستان، عراق، لیبیا اور کئی دوسرے اسلامی ممالک پر حملہ آور ہوا۔ پاکستان کے مسلمان اِن کے لیے کچھ نہ کر سکے لیکن اُن کے دل اِن ملکوں کے مسلمانوں کے ساتھ دھڑکتے تھے۔ افغان طالبان نے امریکہ کے خلاف جدوجہد آزادی شروع کی تو گنتی کے دانشوروں، لبرلز اور سیکولرز کو چھوڑ کر سب پاکستانیوں کی دعائیں افغان طالبان کے ساتھ تھیں۔ قصہ مختصر اِس سرزمین کے مسلمانوں کو عالم اسلام نے اپنا حصہ سمجھا یا نہ سمجھا پاکستان کے مسلمانوں نے خود کو تمام دنیا کے مسلمانوں کے ساتھ کھڑا کیا بلکہ اُنھیں ہمیشہ سینے سے لگایا۔

عالم اسلام میں تازہ ترین واقعہ ترکی کے صدر رجب طیب اردگان کا آیا صوفیہ کو عجائب گھر سے دوبارہ مسجد میں تبدیل کرنا ہے۔ پاکستانی مسلمانوں کی اکثریت اگرچہ ایک مرتبہ پھر ترکی کے صدر کے ساتھ کھڑی ہے۔ لیکن اِس معاملہ میں چونکہ شرعی طور پر کچھ اُلجھاؤ ہے لہٰذا واضح طور پر متفقہ اور پختہ موقف تشکیل نہیں پا سکا۔ وہ شرعی نکتہ یہ ہے کہ آیا صوفیہ صدیوں پرانا چرچ تھا۔ سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تو اُس نے اس کلیسا کو مسجد میں تبدیل کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ کیا مسلمان فاتح کسی علاقے کو فتح کرے تو غیر مسلموں کی عبادت گاہ کو مسجد میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اگر کر سکتا ہے تو کن شرائط پر کر سکتا ہے؟ یہ مسلمانوں کا باہمی اور داخلی مسئلہ ہے۔ اِس پر ہم بات بعد میں کریں گے۔ پہلے ہم یورپ، امریکہ، بھارت

اور دنیا بھر میں رجب طیب اردگان کے اس قدم کے خلاف اُٹھائے جانے والے طوفان پر تبصرہ کرنا چاہیں گے کہ اِن ممالک کا کیا منہ ہے کہ وہ ایک عجائب گھر کو مسجد میں دوبارہ تبدیل کرنے پر بے ہنگم شور مچائے ہوئے ہیں۔ کیا سپین اس کی مذمت کرے گا جہاں مسلمانوں کے اقتدار کے خاتمے کے بعد مساجد کیا مسلمانوں ہی کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی بھرپور کوشش کی گئی تھی؟ کیا یورپ اِس کی مخالفت کرے گا جہاں مسلمانوں کی کھوپڑیوں سے چرچ بنایا گیا۔ کیا مسلمانوں کے دینی مدارس اور مساجد پر کارپٹ بمبارمنٹ کرنے والا امریکہ ترکی کو یہ درس دے گا کہ دوسروں کی عبادت گاہوں کا احترام اور تعظیم کرنا چاہیے؟ کیا قرآن پاک کی تلاوت کرنے پر سزائیں دینے والا اور مذہب کے لفظ کو جرم بنانے والا روس کلیسا کے مسجد میں تبدیل ہونے پر احتجاج کی صدا بلند کرے گا؟ کیا بابری مسجد اور سینکڑوں تاریخی مساجد کو شہید کرنے والا بھارت یہ کہے گا کہ اقلیتوں کی عبادت گاہیں گرانے اور اپنی عبادت گاہوں میں تبدیل کرنے کا کام نہیں ہونا چاہیے۔

شرم تم کو مگر نہیں آتی

قصہ یہ ہے کہ قسطنطنیہ کا قدیم نام بازنطین تھا لیکن جب 330ء میں رومن شہنشاہ اوّل نے اپنا دارالحکومت روم سے یہاں منتقل کیا تو شہر کا نام بدل کر اپنے نام پر رکھا جو عربوں کے ہاں پہنچ کر قسطنطنیہ بن گیا۔ مسلمان قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی زبردست خواہش رکھتے تھے۔ اُس کی اصل وجہ تو یہ تھی کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا: (ترجمہ) ”تم لازماً قسطنطنیہ فتح کرو گے پس کیا ہی خوب صورت ہوگا اُس کا امیر اور کیا ہی خوب صورت ہوگا اُس کا لشکر“۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے فرمان کی روشنی میں انتہائی ضعیف العمر ہونے کے باوجود اس شہر پر حملے میں حصہ لیا تھا اور اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کی تھی۔ مسلمانوں کے حملے کی شاید یہ وجہ بھی ہو کہ اس شہر نے جس طرح ترقی کی منازل طے کیں تھیں کہ اس دور میں دنیا کا کوئی شہر اس کا مقابلہ نہیں کرتا تھا اور دنیا بھر میں اِس شہر کی دھوم مچی ہوئی تھی لہٰذا مسلمانوں نے اپنے اقتدار کے عروج میں اِس شہر پر کئی حملے کیے لیکن ناکام رہے۔

بالآخر 29 مئی 1453ء کو 21 سالہ سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ یہ فتح اتنی عظیم تھی کہ فاتح اُن کے نام کا حصہ بن گیا۔ سلطان محمد فاتح نے آیا صوفیہ جو ایک عظیم الشان عمارت تھی جس میں صدیوں پرانا گرجا تھا اُسے مسجد میں تبدیل کر دیا۔ اب رہا یہ سوال کہ کیا کوئی مسلمان فاتح مفتوح علاقے میں کسی غیر مسلم کی عبادت گاہ کو کسی بھی صورت میں مسجد میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اِس حوالے سے فتویٰ دینا تو مفتیانِ کرام کا کام ہے جو ابھی تک حتمی طور پر سامنے نہیں آیا۔ لہٰذا ہم اِس مسئلہ پر کامن سینس کی بنیاد پر بات کریں گے۔ یہ نوٹ کر لیجیے کہ اُس زمانے میں آیا صوفیہ صرف چرچ نہیں تھا بلکہ اُس میں سرکاری دفاتر اور فوج کا آفس بھی تھا۔

بہر حال ہماری رائے میں چار صورتیں ایسی ہیں کہ کسی غیر مسلم معبد کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ (1) علاقے کی غیر مسلم آبادی خود اپنے معبد کو بخوشی بطور تحفہ مسلمانوں کو پیش کر دے۔ (2) مسلمان اِس معبد کو خرید لیں اور جبر کا کوئی عنصر نہ ہو۔ (3) اُس معبد سے غیر مسلم اقلیت مسلمانوں کو جانی نقصان پہنچانا شروع کر دے اور مسلمانوں کے خلاف تخریب کاری کے اڈے کے طور پر اُسے استعمال کرے۔ (4) وہ معبد بالکل ویران ہو چکا ہو اور ماضی میں جس مذہب کے پیروکاروں نے اُسے بنایا ہو وہ وہاں سے تقریباً ناپید ہو چکے ہوں۔ جہاں تک پہلی دو صورتوں کا تعلق ہے کہ ہمارے پاس کیا ثبوت یا شہادت ہے کہ سلطان محمد فاتح کو یہ گرجا تحفہ کے طور پر متقدمین نے دیا تھا یا ایسی کوئی دستاویز ہے جس سے ثابت ہو کہ سلطان نے یہ گرجا خرید لیا تھا۔ ظاہر ہے پونے چھ سو سال بعد ایسا کوئی ثبوت یا شہادت پیش نہیں کی جا سکتی لیکن واقعاتی شہادتوں کے حوالے سے دلائل دیے جا سکتے ہیں۔ پہلی شہادت یہ ہے کہ جس لشکر کے سردار کے بارے میں حضور ﷺ اتنے خوبصورت اور تحسین آمیز الفاظ استعمال کرتے ہیں وہ ہستی کلیسا کو مسجد میں Pistol Point پر تبدیل کر سکتی ہے؟ اُن کے کردار کی گواہی آپ ﷺ نے دی ہے لہٰذا ایسا ممکن نہیں۔

ایک خبر یہ ہے کہ باقاعدہ Deed ہوئی تھی اور کچھ لوگ اُس کا عکس سوشل میڈیا پر دکھا رہے ہیں۔ لیکن ہماری اصل دلیل یہ ہے کہ کیا آیا صوفیہ پر جبراً قبضہ کرنے اور اسے جبراً مسجد میں تبدیل کرنے کا روس کے آرتھوڈوکس عیسائیوں کے پاس کوئی دستاویزی ثبوت ہے کیونکہ یہ ثابت کرنا مدعی یا مدعیان کا کام ہے کہ کلیسا کو جبراً مسجد میں تبدیل کیا گیا تھا۔ لہٰذا Benefit of Doubt یعنی شک کا فائدہ سلطان محمد فاتح کو ملے گا اور اگر سلطان محمد فاتح نے اسے صحیح طور پر اور جائز طریقے سے مسجد میں تبدیل کیا تھا تو پھر مصطفیٰ کمال پاشا نے آیا صوفیہ کو عجائب گھر میں تبدیل کر کے ظلم کیا تھا اور مسلمانوں کو اصل زک سیکولر اور لبرل سوچ نے پہنچائی تھی اور ترکی کے موجودہ حکمران طیب اردگان کا اُس کو دوبارہ مسجد میں تبدیل کرنا جائز اور برحق فیصلہ ہے۔ ہمارا اصل مسئلہ اور ہمارے لیے لمحہ فکریہ یہ ہے کہ کیا صرف شاندار مساجد کی تعمیر اُن کی تزئین و آرائش اور آیا صوفیہ جیسی عظیم عمارت کو مسجد میں تبدیل کرنے سے مسلمانوں کی عظمت رفتہ بحال ہو جائے گی۔ زمینی حقائق تو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ہرگز نہیں عظمت رفتہ کی بحالی کا تو آج کی صورت حال میں خواب بھی نہیں دیکھا جا سکتا۔ ابھی تو مسلمانوں کی ذلت و خواری اور نکبت مزید گہری ہوتی جا رہی ہے۔ آیا صوفیہ کے مسجد میں تبدیل ہونے سے مسلمانوں کا وقتی طور پر مورال ضرور بہتر ہوگا لیکن کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ ہمیں سلطان محمد فاتح کے کردار کو اپنانا ہوگا۔ وگرنہ خدا نہ کرے کہ اس خیر سے بھی کوئی شر برآمد ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے، ہمیں صراط مستقیم پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری تمام تر جدوجہد قرآن اور سنت کے نظام کو نافذ کرنے کے لیے ہو۔ یہ نظام ہمارے پیکرِ خاکی میں جان پیدا کرے گا اور ہم باطل کو نیست و نابود کر سکیں گے۔ دنیوی اور اُخروی فوز و فلاح کا یہی واحد راستہ ہے۔

اسلامی معاشرت کے راہنما اُصول

(سورۃ الحجرات کی ابتدائی آیات کی روشنی میں)

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور میں ناظم اعلیٰ انجمن خدام القرآن محترم ڈاکٹر عارف رشید کے 10 جولائی 2020ء کے خطابِ جمعہ کی تلخیص

مرتب: ابوابراھیم

خطبہٗ مسنونہ اور تلاوت آیات کے بعد!

حضرات: سورۃ الحجرات کا مطالعہ ہم نے شروع کیا تھا۔ اس کی پہلی تین آیات کا مطالعہ ہم کر چکے ہیں جن میں اسلامی معاشرے کے انتہائی اہم بنیادی اور مرکزی اصول بیان ہوئے ہیں کہ اسلامی معاشرت میں نبی اکرم ﷺ کا مقام، مرتبہ، ادب اور احترام سب سے بڑھ کر اور مرکزی ہے۔ گویا کہ ہماری تمدنی اور ثقافتی ضرورت یہ ہے کہ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کو مرکز ملت بنائیں۔ مرکز ملت کی اصطلاح ہمارے ہاں عام طور پر استعمال ہوتی ہے لیکن اس میں محدودیت کا ایک تصور یہ داخل ہو چکا ہے کہ شاید یہ مرکزیت آپ ﷺ کے زمانے کے لیے تھی، معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ۔ حالانکہ حضور ﷺ کی رسالت تو تا قیامِ قیامت ہے لہٰذا نبی اکرم ﷺ کی ذات مرکز ملت تھی، ہے اور رہے گی۔ اگر اس مرکز سے الگ ہوئے تو اسلام نہیں رہے گا۔ پھر تو ہر شخص کا اپنا خود ساختہ اسلام ہو گا۔ اسی طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مسلمان اور اسلامی معاشرے کی جو حدود مقرر کر دی ہیں ان سے باہر قدم رکھا تو ایمان محفوظ نہیں رہے گا۔ یہ تمام تصورات ان آیات میں دیے گئے ہیں۔ آج ہم ان شاء اللہ اگلی چار آیات کا مطالعہ کریں گے۔ فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ۝۴﴾ ’’بے شک وہ لوگ جو آپ ﷺ کو پکارتے ہیں حجروں کے پیچھے سے ان میں سے اکثر وہ ہیں جو عقل نہیں رکھتے۔‘‘ (الحجرات:4)

حجرات کوئی بڑے دس دس مرلے یا ایک ایک کنال کے گھر نہیں تھے بلکہ ازواج مطہرات کے لیے ایک ایک حجرہ مخصوص تھا۔ بدو جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے ان میں کوئی آپ ﷺ سے ملاقات کرنا چاہتا یا انہیں کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو ان حجروں کے باہر کھڑے ہو کر زور زور سے آواز لگاتے: ((یامحمد اخرج))۔ اب اس انداز کے اندر جو بے ادبی ہے اس کو تو صحابہ کرامؓ بھی محسوس کرتے ہوں گے کہ یہ کس طرح پکار رہے ہیں۔ اسلام میں تو مسلمانوں کے لیے کچھ آداب ہیں۔ جیسے حضور ﷺ کا اپنا طریقہ یہ تھا اگر کسی صحابیؓ سے ملنے جاتے تو دروازے پر کھڑے ہو کر صرف اتنی آواز سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے کہ بس آواز اندر پہنچ جائے۔ یعنی آواز اونچی نہیں ہوتی تھی۔ دوسری مرتبہ پھر سلام کہتے اور اگر تیسری مرتبہ سلام کرنے وہ صحابیؓ باہر نہیں آتے تھے تو آپ ﷺ واپس چلے جاتے تھے اور آپ ﷺ کے دل میں کسی قسم کی ناراضگی کا احساس پیدا نہیں ہوتا تھا کیونکہ معلوم نہیں وہ صحابیؓ سوئے ہوئے ہوں یا کوئی اور مجبوری ہو۔ لیکن بدوی لوگ جب اسلام میں داخل ہوئے تو وہ ان اسلامی آداب سے ناواقف تھے اور زمانہ جہالت کے انداز میں ہی زور زور سے آوازیں لگانا شروع کر دیتے تھے۔ انہیں آداب سکھانے کی ضرورت تھی۔ اسی لیے قرآن نے یہاں بہت لائٹ سا تبصرہ کیا کہ ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔ ورنہ بارگاہ رسالت کا جو مقام ہے کہ ؎

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر

محمد رسول اللہ ﷺ کا جو مقام ہے اس سے اگر یہ لوگ واقف ہوتے تو ان کا یہ انداز نہ ہوتا۔ آگے فرمایا:

﴿وَلَوۡ اَنَّہُمۡ صَبَرُوۡا حَتّٰی تَخۡرُجَ اِلَیۡہِمۡ لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ ؕ﴾ ’’اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود ان کے پاس نکل کر آ جاتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا‘‘ (الحجرات:5)

ادب کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ لوگ آپ ﷺ کا باہر انتظار کرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ خود حجرے سے باہر تشریف لاتے اور ان کی بات سنتے اور تعلیم فرماتے۔ یہ ان لوگوں کے لیے زیادہ بہتر ہوتا۔ تاہم ان کا یہ رویہ چونکہ نادانستگی اور کم عقلی کی وجہ سے تھا اس لیے آگے نوید بھی سنا دی گئی کہ:

﴿وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝۵﴾ ’’اور (بہر حال) اللہ بہت بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے۔‘‘ (الحجرات:5)

یعنی اب تک جو لوگ بے احتیاطی کرتے رہے ہیں ان کو تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا لیکن ظاہر ہے جب یہ آیات نازل ہو گئیں تو اس کے بعد بارگاہ رسالت میں ایسا رویہ گستاخی کے زمرے میں آئے گا کیونکہ اللہ کے حکم کے باوجود اگر کوئی ایسا کر رہا ہے تو وہ سخت گناہ گار ہے اور اس کا یہ گناہ ناقابل معافی ہو گا۔

یہاں تک یہ آیات اسلامی معاشرے کی مرکزیت کے حوالے سے تھیں۔ اب اس کے بعد اگلی پانچ آیات میں اسلامی معاشرے کی مثبت تعمیر کے لیے چند بنیادی اصول دیے گئے۔ فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ جَآءَکُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوۡۤا﴾ ’’اے اہل ایمان! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق شخص کوئی بڑی خبر لے کر آئے تو تم تحقیق کر لیا کرو‘‘ (الحجرات:6)

ایک شخص وہ ہے جس پر آپ کو اعتماد ہے کہ یہ متقی ہے اور آپ کو یقین کامل ہے کہ اس نے فلاں شخص کے

بارے میں جو بات کہی ہے، فلاں اطلاع یا خبر مجھے دی ہے تو اس نے یقیناً تحقیق کے بعد دی ہوگی۔ ایسی صورت میں معاملہ دوسرا ہے۔ جیسے اسلام کے ابتدائی دور میں حضرت ابوبکر صدیقؓ یا دوسرے جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی بات کو مستند مانا جاتا تھا۔ آج کے دور میں بھی آپ کسی ایسے شخص کو ذاتی طور پر جانتے ہیں اور اس کے کردار کے لحاظ سے آپ کو معلوم ہے کہ وہ خدا سے ڈرنے والا ہے اور متقی ہے تو آپ اس کی بات پر یقین کر سکتے ہیں۔ لیکن ایک ایسا اجنبی شخص کہ جس کو آپ جانتے ہی نہیں یا جس کے کردار کے بارے میں آپ کو کوئی یقین حاصل نہیں ہے اور نہ آپ کو یہ یقین ہے کہ جو خبر وہ پہنچا رہا ہے اس میں اس نے کوئی ملاوٹ یا کمی بیشی نہیں کی ہوگی۔ ایسے شخص کے لیے یہاں فاسق کا لفظ آیا۔ ہمارے ہاں فاسق اس شخص کو سمجھا جاتا ہے جو بہت ہی زیادہ گناہوں میں لتھڑا ہوا ہو۔ لیکن اصل میں فاسق کے معنی ہیں اللہ کے حکم سے نکلنے والا۔ جیسا فرمایا:

﴿فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ﴾ ''چنانچہ اُس نے نافرمانی کی اپنے رب کے حکم کی۔'' (الکھف:50)

اپنے رب کے حکم کو تسلیم نہ کرنا، اس پر عمل نہ کرنا فسق ہے۔ کوئی شخص بھی اللہ کی حرام کی ہوئی شے کو اگر اپنے لیے جائز قرار دے تو گویا اس نے اللہ کے حکم کو نہیں مانا۔ ایسے شخص سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کوئی خبر لائے گا تو واقعی سچی ہوگی، کیا معلوم اس کے پیچھے کس کے کیا عزائم ہوں۔ اسی طرح بظاہر بعض لوگ بڑے متقی اور پرہیز گار نظر آئیں گے لیکن ان کی انفرادی زندگی کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان جلوت میں کچھ اور خلوت میں کچھ ہے۔ بظاہر تو دینداری کا لبادہ اوڑھا ہوا ہے، بڑے متقی اور پرہیز گار انسان لگ رہے ہیں، پیشانی کے اوپر بھی محراب موجود ہے، اقامت صلوٰۃ پر بھی کاربند ہے لیکن اگر معلوم ہو کہ وہ دینداری کے لبادے کے اندر دنیاداری کر رہا ہے۔ جو کچھ دنیا میں چل رہا ہے وہی وہ بھی کر رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس نے اسلام کا صرف لبادہ اوڑھا ہوا ہے، حقیقی اسلام اس میں نہیں ہے۔ لہٰذا یہاں تاکید کے ساتھ حکم ہوا کہ ایسی صورت میں اس خبر کی تحقیق کرلیا کرو۔

اسلامی معاشرے میں اس بات کا خاص طور پر اہتمام رہا ہے۔ جیسے احادیث رسول ﷺ پر محدثین کرام نے بہت تحقیق کی ہے کہ جو بندہ حدیث پہنچا رہا ہے، نقل کر رہا ہے وہ خود کیسا ہے۔ محدثین کرام نے پوری محنت کر کے ایک ایک راوی کی سند کو کھنگال کر اس کے بعد احادیث کو الگ الگ کیا ہے کہ یہ صحیح حدیث ہے، یہ حسن ہے، یہ ضعیف ہے اور اس حوالے سے محدثین کرام اسماء الرجال کا پورا فن وجود میں لائے ہیں جس کے ذریعے ایک ایک راوی کی زندگی کو مائیکروسکوپک طریقے سے دیکھا گیا۔ ایک بڑا مشہور واقعہ ہے کہ ایک تابعی یا تبع تابعین میں سے ایک صاحب تھے جو ایک حدیث کے راوی تھے۔ ایک محدث جو احادیث کو جمع کر رہے تھے' ان کو علم ہوا کہ فلاں شخص کے پاس کوئی حدیث ہے۔ وہ محدث بہت طویل سفر کر کے ان کے گھر گئے۔ محدث نے وہاں جا کر دیکھا تو وہ صاحب اپنی جھولی پھیلا کر ایک گھوڑے کو بلا رہے تھے۔ گھوڑا قریب آیا تو دیکھا کہ جھولی خالی تھی۔ بس یہ دیکھتے ہی وہ محدث واپس آ گئے کہ جو شخص جانوروں کو دھوکہ دے سکتا ہے اس سے انسانوں کے معاملے میں کیسے اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ یعنی اس درجے کی احتیاط اور تحقیق کے بعد احادیث کی درجہ بندی کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ کہیں کسی کے بارے میں اگر پتا چلا کہ اس نے فلاں شخص سے وعدہ کیا تھا لیکن پورا نہیں کیا تو اس سے جتنی روایات نقل تھیں وہ سب الگ کر دی گئیں۔ اسلامی معاشرے میں تحقیق کا پہلو اس قدر اہم ہے۔ یہ نہیں کہ جو بھی بات کسی سے سنو تو اس کو اسی طرح آگے پھیلا دو۔ ہرگز نہیں بلکہ یہاں تاکید کے ساتھ حکم ہوا ہے کہ پہلے تحقیق کرلیا کرو۔ اس لیے کہ:

﴿اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝۶﴾ ''مبادا کہ تم جا پڑو کسی قوم پر نادانی میں اور پھر تمہیں اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے۔'' (الحجرات:6)

فرض کریں اگر کوئی شخص آکر خبر دیتا ہے کہ فلاں قبیلہ حملے کی تیاری کر رہا ہے اور خبر سننے والے بغیر تحقیق کے جا کر اس قبیلے پر چڑھائی کر دیں تو آخر میں ان کو پچھتاوا ہی ہوگا کہ کاش! ہم نے اس خبر کی تحقیق کر لی ہوتی۔ آج یہی معاملہ ہم میں سے ہر شخص کے ساتھ بھی ہو

پریس ریلیز 17 جولائی 2020ء

امریکہ، بھارت اور یورپ کا کیا منہ ہے کہ وہ آیا صوفیہ کو بطور مسجد بحال کرنے پر اعتراض کریں

ایوب بیگ مرزا

امریکہ، بھارت اور یورپ کا کیا منہ ہے کہ وہ آیا صوفیہ کو بطور مسجد بحال کرنے پر اعتراض کریں۔ یہ بات ترجمانِ تنظیم اسلامی مرزا ایوب بیگ نے ایک بیان میں کہی۔ انہوں نے کہا کہ سپین میں مسلمانوں کے اقتدار کے خاتمے پر نہ صرف مساجد کا بلکہ مسلمانوں کا نام ونشان مٹا دیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ یورپ میں ایک چرچ مسلمانوں کی کھوپڑیوں سے بنایا گیا، امریکہ نے کارپٹ بمبارڈمنٹ سے کئی مسلم ممالک کی سینکڑوں مساجد تباہ وبرباد کر دیں۔ بابری مسجد اور دوسری سینکڑوں تاریخی مساجد کو شہید کرنے والا بھارت بھی آیا صوفیہ کو بطور مسجد دوبارہ بحالی کی مذمت کر رہا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ اِن ممالک کو اِس بے جا تنقید سے پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈالنا چاہیے۔ اُنھوں نے کہا کہ یہ صرف مسلمانوں کا حق ہے کہ وہ اِس کی شرعی حیثیت پر بحث اور فیصلہ کریں۔ اُنھوں نے کہا کہ آرتھوڈکس چرچ اگر آیا صوفیہ پر اپنا حق جتاتا ہے تو وہ ترکی کی عدالت میں دستاویزات پیش کر کے ثابت کرے کہ اِسے چرچ سے مسجد میں جبراً تبدیل کیا گیا تھا۔ ثبوت نہ پیش کرنے کی صورت میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ 1453ء میں سلطان محمد فاتح کا فیصلہ بھی درست تھا اور آج طیب اردگان کا فیصلہ بھی درست ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ البتہ مسلمانوں کے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ہماری عظمت رفتہ کی بحالی صرف مساجد کی تزئین وآرائش اور آیا صوفیہ جیسی مسجد کے حصول سے نہیں بلکہ سلطان محمد فاتح جیسا کردار پیدا کرنے سے ہوگی۔ ہمیں انفرادی اور اجتماعی سطح پر حقیقی مسلمان بننا ہوگا اور باطل کی قوتوں سے ٹکرانے کے لیے اپنے پیکرِ خاکی میں جان پیدا کرنا ہوگی۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر واشاعت، تنظیم اسلامی)

ہوتی۔ آج یہی معاملہ ہم میں سے ہر شخص کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ آپ نے کسی کے حوالے سے کوئی بات سنی اور اس کو اسی طرح آگے بیان کر دیا تو آپ کو معلوم نہیں کہ وہ خبر کہاں تک پھیلے گی۔ جیسا کہ تیر کمان سے نکل جائے تو پھر آپ کے اختیار میں نہیں رہتا۔ اسی طرح آپ کی بغیر تحقیق کی پھیلائی ہوئی خبر معلوم نہیں کتنے گھروں کو اجاڑے گی، کتنے دلوں کو دکھ پہنچائے گی اور کتنی زندگیاں متاثر ہوں گی اس کا سارا گناہ آپ کے سر پر بھی آئے گا اور دوسری طرف معاشرے میں بھی فساد پھیلے گا۔ اسی لیے یہاں تحقیق کو لازم قرار دیا گیا۔ آگے فرمایا:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ﴾ ”اور جان لو کہ تمہارے مابین اللہ کا رسول موجود ہے۔“ (الحجرات:7)

یعنی وہ کوئی عام فرد نہیں ہیں۔ قرآن میں کئی جگہ کہا گیا:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ میں تو بس تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں۔“ (الکہف:110)

یہ ٹھیک ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ ایک نوعیت کے اعتبار سے بشر ہی ہیں لیکن آپ ﷺ کا مرتبہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، محبوب رب العالمین ہیں، رحمۃ للعالمین ہیں، آپ ﷺ کا براہ راست اللہ سے رابطہ تھا، آپ ﷺ پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی تھی۔ آپ ﷺ جو خبر پہنچا رہے ہیں وہ اپنی انفرادی حیثیت میں نہیں پہنچا رہے بلکہ وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ ”اور یہ (جو کچھ کہہ رہے ہیں) اپنی خواہش نفس سے نہیں کہہ رہے ہیں۔ یہ تو صرف وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔“ (النجم)

لہٰذا ایک عام انسان کی بات آپ ﷺ کی بات کے مساوی ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہاں ایک اور بڑی لطیف بات بھی ہے کہ بحیثیت انسان حضور ﷺ کی کچھ رشتہ داریاں بھی تھیں۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ؓ دونوں آپ ﷺ کے سسر تھے اور آپ ﷺ ان کے داماد تھے۔ اب بظاہر تو سسر رتبہ میں باپ کا قائم مقام ہوتا ہے۔ لیکن جس طرح کوئی سسر اپنے داماد سے بے تکلفی سے بات کر سکتا ہے کیا ہم حضرت ابوبکر یا حضرت عمر ؓ کے بارے اس طرح سوچ سکتے ہیں کہ وہ بھی حضور ﷺ سے اسی طرح بات کر سکتے ہوں گے۔ ہرگز نہیں۔ اس لیے کہ انہیں معلوم تھا کہ دنیوی رشتہ کے اعتبار سے حضور ﷺ داماد ہیں لیکن اصل میں وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اسی طرح ازواج مطہرات اور حضور ﷺ کے درمیان شوہر اور بیوی کا تعلق ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کسی کے بھانجے اور بھتیجے بھی ہوں گے۔ لیکن آپ ﷺ چونکہ اللہ کے رسول ہیں اس لیے آپ ﷺ سے اس طرح سے بات نہیں کی جا سکتی جس طرح عام رشتہ داری میں کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا اس آیت میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ اس دنیوی رشتہ داری کی وجہ سے آپ ﷺ سے اس طرح کا معاملہ ہرگز نہ کرنا جو عام انسانی رشتوں میں ہوتا ہے کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کا مقام اور مرتبہ ان تمام رشتہ داریوں سے کہیں اوپر ہے۔ آگے فرمایا:

﴿لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ﴾ ”اگر وہ تمہارا کہنا مانا کریں اکثر معاملات میں تو تم لوگ مشکل میں پڑ جاؤ“ (الحجرات:7)

یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سہولت ہے کہ آپ ﷺ پر براہِ راست اللہ کی طرف سے حکم نازل ہو رہا ہے اس لیے اب اس میں چون وچرا کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ لیکن اگر آپ ﷺ لوگوں کی بات ماننا شروع کر دیں جس طرح کہ جمہوریت میں ہوتا ہے کہ اکثریت کی بات مانی جاتی ہے تو پھر تو پوری معاشرت ہی تلپٹ ہو کر رہ جائے۔ اس میں ہمارے لیے بھی عمومی طور پر ہدایت ہے کہ اسلامی معاشرے کی بنیاد صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات پر قائم ہونی چاہیے۔ ورنہ جمہور کی بات مانی گئی تو معاشرہ کبھی مستحکم نہیں رہ سکے گا۔ آگے فرمایا:

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ ”لیکن (اے نبی ﷺ کے ساتھیو!) اللہ نے تمہارے نزدیک ایمان کو بہت محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں کے اندر کھبا دیا ہے“ (الحجرات:7)

اب گویا تمہارے دل ایمان کی زینت سے مزین ہیں۔

﴿وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ﴾ ”اور اُس نے تمہارے نزدیک بہت ناپسندیدہ بنا دیا ہے کفر، فسق اور نافرمانی کو“ (الحجرات:7)

اور یہ نتیجہ ہوتا ہے اتباع رسول ﷺ کا اور اللہ پر ایمان کا۔

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝﴾ ”یہی لوگ ہیں جو صحیح راستے پر ہیں۔“ (الحجرات:7)

یہاں صحابہ کرام ؓ کی مداح ہو رہی ہے اور اسی تناظر میں ہر اس شخص کے لیے بھی خوشخبری ہے جو اپنے آپ کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے تابع کر دے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(یہاں تک اس سورہ کی سات آیات کا مطالعہ مکمل ہوا۔ ان شاء اللہ آئندہ جمعہ کو اس سے اگلی چند آیات کا مطالعہ کریں گے۔)

رفقاء متوجہ ہوں ان شاء اللہ

”دارالاسلام مرکز تنظیم اسلامی، 23- کلومیٹر ملتان روڈ (نزد چوہنگ)، لاہور“ میں
07 تا 09 اگست 2020ء بروز جمعہ نماز عصر تا بروز اتوار نماز ظہر)

مبتدی وملتزم نظریاتی ریفریشر کورس

کا انعقاد ہو رہا ہے

1- جن رفقاء کو ملتزم تربیتی کورس مکمل کیے ہوئے پانچ سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے، ان کی نظریاتی ریفریشر کورس میں شرکت ترجیحی بنیادوں پر مطلوب ہوگی جبکہ مبتدی نظریاتی ریفریشر کورس میں مبتدی نصاب کا مطالعہ نہ کرنے والے رفقاء کی شرکت ترجیحی بنیادوں پر مطلوب ہوگی۔ البتہ امیر حلقہ کی اجازت سے احباب بھی شامل ہو سکتے ہیں۔

2- اس کورس سے جو مبتدی/ ملتزم رفقاء گزریں گے ان کے مبتدی/ ملتزم نصاب کا مطالعہ/ سماعت مکمل متصور ہوگی۔

3- جو رفقاء اس کورس میں جزوی شرکت کریں گے وہ جس قدر نظریاتی ریفریشر کورس کے نصاب/ موضوعات سے گزریں گے، اس کے بقدر مبتدی/ ملتزم نصاب کے موضوعات کا مطالعہ/ سماعت مکمل متصور ہوگی۔

4- اس کورس میں وہ مبتدی/ ملتزم رفقاء بھی شامل ہو سکیں گے جنہوں نے ابھی مبتدی/ ملتزم تربیتی کورس نہ کیا ہو۔ البتہ نظریاتی ریفریشر کورس میں شرکت رفیق کو مبتدی/ ملتزم تربیتی کورس سے مستثنیٰ نہیں کرے گی اور مبتدی/ ملتزم تربیتی کورس اسے بہر حال کرنا لازم ہوگا۔

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 0321-4369865

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت: 79-35473375(042)

انجینئر مختار فاروقی
0301-6998587
Email:hikmatbaalgha@yahoo.com

11 پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق

اے مشرق کے لوگو! اب کیا کرنا چاہیے؟

29

رشتۂ سود و زیاں در دستِ تست
آبروئے خاوراں در دستِ تست

ترجمہ (خیر وشر کی ازلی کشاکش نے اس دور میں مشرقیت اور مغربیت کا عنوان اختیار کر لیا ہے) اے مسلمان جاگ! اپنے نفع و نقصان کا فیصلہ تجھے کرنا ہے (خدا شناسی، وحی شناسی، قرآن، محمد ﷺ یا مغربیت، سیکولرازم، لبرل ازم ڈاروِنزم اور مادیت پرستی)۔ مغربیت اور مغربی افکار کو چھوڑ۔ مشرق کی آبرو آج تیرے ہاتھ میں ہے۔

تشریح تین ہزار سالوں کی معلوم تاریخ میں حکمران اور بادشاہ جنگ کرتے آئے ہیں اور شاید کوئی سال اور عشرہ ایسا نہ ہو جس میں روئے ارضی پر کوئی جنگ نہ ہوئی ہو پھر تاریخ مشرق و مغرب کے درمیان عروج و زوال کا جھولا جھولتی رہی ہے کبھی مشرق اوپر چلا گیا اور کبھی مغرب اوپر آ گیا۔ (قرآن مجید میں سورۃ الروم کے پہلے رکوع میں یہی فلسفہ تاریخ بیان ہوا ہے)۔ مشہور برطانوی مؤرخ و فلسفی و ادیب برٹرینڈ رسل نے بھی RE-AWAKENING OF EAST کے نام سے حالیہ مغربی عروج اور مطلق العنان برتری (فرعونیت و خدائی) کے بعد زوال کا ذکر کیا ہے اور نتیجتاً مشرق کے عروج کی پیش گوئی کی ہے۔ علامہ اقبال بھی 1923ء میں فرماتے ہیں: ؏ اقوامِ زمین ایشیا کا پاسبان تو ہے۔

مسلمان مشرق، مشرقیت اور مذہب کی علامت ہیں اور نبی آخر الزماں ﷺ پر ختم نبوت کی وجہ سے حالیہ مغربی عروج کے بعد عالمی غلبہ اسلام کے نقیب ہیں۔ اس شعر میں اسی عالمی سچائی (TRUTH) اور زمینی حقیقت (GROUND REALITY) کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس (منحوس انسان دشمن) فرنگی مغربی استعمار کے منطقی (اور جلدی آنے والے) زوال پر جو طاقت روئے ارضی پر طلوع ہوگی وہ اسلام ہے اور دنیا کی قسمت اے مسلمان! اب تیرے ہاتھ میں ہے۔

30

ایں کہن اقوام را شیرازہ بند
رایتِ صدق و صفا را کن بلند

ترجمہ اے مسلمان! (مغربی یورپی اقوام نے گزشتہ کئی صدیوں سے عالم اسلام کو اقوام میں بانٹ دیا ہے) جاگ تو ان اقوام کو متحدہ کر۔ اور ابلیسی افکار (صہیونی افکار و نظریات) کے بالمقابل (اسلام یعنی) صدق وصفا (سچائی اور پاک سیرت) کا جھنڈا بلند کر

تشریح آج مسلمان اُمت مسلمہ نہیں بلکہ رنگ ونسب و زبان و علاقہ کی بنیاد پر اقوام میں تقسیم کر دیے گئے ہیں مسلمانو! جاگو اور قرآن کی تعلیمات کے مطابق اپنی منتشر اقوام کو اسلام کے رشتہ میں پرو کر ایک طاقت بنادو۔ دنیا میں صہیونی استعمار نے دجل، فریب، دھوکہ، بے حیائی، عریانی اور منافقت (ACTING) کو عام کر دیا ہے۔ تم آگے بڑھ کر سچائی اور پاکیزگی کا علم (قرآن مجید کی تعلیمات) بلند کر دو، اس کی اشاعت و تبلیغ کرو اور (تلاوتِ آیات، تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت سے) دنیا کو حقیقی انسانی اقدار پر جمع کر دو۔

31

اہلِ حق را زندگی از قوت است
قوتِ ہر ملّت از جمعیّت است

ترجمہ اہل حق (مسلمانوں) کی زندگی کا راز قوت و طاقت میں (پوشیدہ) ہے اور نظریاتی گروہوں (ملتوں) کی قوت صرف باہم متحدہ و یک جاں ہو کر رہنے پر منحصر ہے (ورنہ دشمن غالب آ جاتا ہے)

تشریح دنیا میں اچھے انسان بھی ہیں اور برے انسان بھی ہیں۔ بالعموم اجتماعی نفسیات میں ہر معاشرے میں 10-12 فیصد لوگ اچھائی کی طرف مائل ہوتے ہیں اسی طرح 10-12 فی صد لوگ برائی کے سرغنے، ان کی حمایتی اور ان کے نمایاں ساتھی ہوتے ہیں باقی 70-75 فیصد لوگ معاشرے میں عوام کہلاتے ہیں اور مرغِ بادنما ہوتے ہیں۔ عملاً دنیا میں ہوتا یہ ہے کہ اگر کسی معاشرے میں برائی پھیل جائے تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ برے لوگ 10، 12 سے بڑھ کر 15، 20 فیصد ہو جائیں تو اَلْعَوَامُ کَالْاَنْعَامِ بھی اپنا رخ برائی کی طرف کر لیتے ہیں اور وہ معاشرہ برا ہو جاتا ہے جبکہ اس معاشرے میں نیک اور بھلے لوگ اسی نسبت سے 5-6 فیصد رہ جاتے ہیں۔ جیسے آج کے دور میں ہے۔ جب نیک اور بھلے لوگ جاگ جائیں، اٹھ کھڑے ہوں، کوئی رہنما میسر آ جائے اور وہ وعظ، نصیحت، تبلیغ اور جہاد سے 15، 20 فیصد ہو جائیں تو عوام برائی سے منہ موڑ کر نیکی کی طرف رخ کر لیتے ہیں اور معاشرہ نیک بن جاتا ہے۔ آج اگر مسلمان بیدار ہوں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں تو معاشرے کو بدلا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے اہل حق کو اکٹھا کرنا، منظم کرنا، ان کی تربیت کرنا، صبر کے مراحل سکھانا اور جہاد کے مختلف مراحل سے گزار کر معاشرہ کو بدل کر رکھ دینا یہ کام محنت طلب ہے۔ اُمتیں نظریاتی وحدت سے قوت حاصل کرتی ہیں۔ علامہ اقبال ہی نے فرمایا ہے ؎

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

اکبر الٰہ آبادی نے فرمایا تھا: ؎

تو خاک میں مل اور آگ میں جل، جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے عنصر پر، بنیاد نہ رکھ، تعمیر نہ کر

ہم کلمہ گو مسلمان ہیں اور ہمارے ملک کا آفیشل نام بھی اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے لیکن ہمارا عمل اس کے برعکس ہے۔ گویا ہم انفرادی اور اجتماعی سطح پر قول و فعل کے تضاد کا شکار ہیں۔ اسی کا دوسرا نام منافقت ہے: شجاع الدین شیخ

اگر پاکستان میں اسلامی نظام قائم نہ ہوا تو دینی جماعتوں کی قوت ان لوگوں کے مقابلے میں دن بدن کم ہوتی چلی جائے گی جو یہاں غیر اسلامی معاشرے کا قیام چاہتے ہیں اور ایک دن ایسا آئے گا کہ دینی جماعتیں ان لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکیں گی: ایوب بیگ مرزا

"اسلام" آباد میں مندر کی تعمیر کے موضوع پر

حالات حاضرہ کے منفرد پروگرام "زمانہ گواہ ہے" میں معروف دانشوروں اور تجزیہ نگاروں کا اظہار خیال

میزبان: آصف حمید

مرتب: محمد رفیق چودھری

سوال: نظریاتی ریاست اور قومی ریاست میں کیا فرق ہوتا ہے؟

شجاع الدین شیخ: اقوام عالم میں عام طور پر قوم کے بننے کا تصور کبھی زبان کی بنیاد پر ہوتا ہے، کبھی رنگ کی بنیاد پر ہوتا ہے، کبھی نسل کی بنیاد پر ہوتا ہے اور کبھی کسی خطے کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ گویا قومی ریاست جو وجود میں آتی ہے اس کی یہ چند بنیادیں ہوتی ہیں۔ جبکہ نظریاتی ریاست رنگ، نسل، زبان اور خطے کے تصور سے بالاتر ہوا کرتی ہے۔ وہ کسی خاص نظریے کی بنیاد پر وجود میں آتی ہے اور جو لوگ بھی خواہ کوئی زبان بولتے ہوں، کسی بھی رنگت والے ہوں، کسی بھی خطے سے تعلق رکھتے ہوں، یا کسی اور قومیت سے تعلق رکھتے ہوں وہ اس سے بالاتر ہو کر اس نظریے کو قبول کر کے اس ریاست کو وجود میں لاتے ہیں۔ پاکستان کے تناظر میں بات کریں تو یہاں مختلف رنگت والے لوگ بھی موجود ہیں، مختلف زبانیں بولنے والے بھی موجود ہیں، یہاں مختلف خطے ہیں، برادریاں مختلف ہیں، حتیٰ کہ کھانے پینے کے انداز مختلف ہیں لیکن ایک نظریے نے ان سارے لوگوں کو پرو دیا اور ایک ریاست وجود میں آئی تھی جس کو وہ اسلامی ریاست بنانا چاہتے تھے۔ یہ نظریہ توحید کی بنیاد پر وجود میں آنے والا ملک ہے۔ اس کو دنیا کی مختلف قومی ریاستوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

سوال: کیا آج پاکستان نظریاتی ریاست ہے یا قومی ریاست؟

شجاع الدین شیخ: اس کے دو پہلو ہیں۔ دینی پیراڈائم میں اقرار باللسان و تصدیق بالقلب والی بات ہے۔ اگر اقرار باللسان والی بات کریں تو الحمدللہ ہم سب مسلمان ہیں اور پاکستان کا آفیشل نام بھی اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ بقول بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ ہم نے اپنی ریاست کو کلمہ پڑھایا ہوا ہے اور ہمارے آئین میں بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حاکمیت کا اعلان موجود ہے۔ ہماری اکثریت کلمہ گو مسلمانوں پر مشتمل ہے لیکن نمازیں ضائع کرنے والے بھی بہت ہیں، زکوٰۃ میں ڈنڈی مارنے والے بھی ہیں، عشر سے جان چھڑانے والے بھی ہیں، سود کا کاروبار کرنے والے بھی ہیں اور بے حیائی کو پھیلا کر اپنی تجوریاں بھرنے والے بھی ہیں اور جوا، سٹہ اور دوسرے حرام کام کرنے والے بھی ہیں۔ جیسے ہم عوام کلمہ گو مسلمان ہیں لیکن ہمارا عمل اسلام کے برعکس ہے۔ اسی طرح ہم نے اپنی ریاست کو کلمہ تو پڑھایا ہوا ہے لیکن اس کا عمل اس کے برعکس ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے ایک نظریہ کی بنیاد پر پاکستان کے حصول کے لیے قربانیاں دی تھیں، قولی سطح پر تو ہم نظریاتی ہیں لیکن عملی طور پر انکار کرنے والے ہیں۔ یعنی عملی طور ہم کسی نظریاتی ریاست کو ماننے سے انکاری ہیں۔ گویا ہم انفرادی اور اجتماعی سطح پر قول و فعل کے تضاد کا شکار ہیں۔ اسی کا دوسرا نام منافقت ہے۔ قرآن مجید میں منافقین کا تذکرہ بڑے شدومد سے ہوتا ہے۔ قرآن ان کے حقیقی ایمان کی نفی کرتا ہے کہ ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ اس کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، جب امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے۔ مسلم شریف میں تین نشانیاں ہیں جبکہ بخاری شریف کی حدیث میں چوتھی نشانی بھی ہے کہ جب جھگڑے کی نوبت آئے تو گالی پر اتر آئے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ جس میں یہ تمام نشانیاں موجود ہوں وہ پکا منافق ہے چاہے وہ نماز ادا کرنے کا دعویٰ کرتا ہو، روزہ رکھتا ہو، اور دعویٰ کرتا ہو کہ میں مسلمان ہوں۔ چنانچہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ فرماتے تھے کہ ہم نے اپنے دستور کو منافقت کا پلندہ بنا رکھا ہے۔ ایک طرف ہم ایک شق میں اللہ کی حاکمیت کا اعلان کرتے ہیں لیکن دوسری طرف ہمارے ججز کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ جیسے دستور کی دوسری دفعات ہیں اسی طرح یہ بھی ایک دفعہ ہے۔ ہمارے پارلیمنٹ کے ممبران اللہ کو حاضر ناظر جان کر حلف اٹھا کر پارلیمنٹ میں بیٹھتے ہیں اور وہاں خلاف اسلام قانون سازی اور خلاف اسلام باتیں کرتے ہیں۔ آپ دیکھتے چلے جائیے کہ جتنا کوئی بڑے عہدے تک پہنچتا چلا جاتا ہے اتنا ہی وہ جھوٹا، وعدہ خلاف، خیانت کرنے والا اور جھگڑالو ثابت ہوتا ہے۔

سوال: اگر پاکستان ایک نظریاتی ریاست یا ریاست مدینہ کا ماڈل ہوتا تو اس میں کیا قوانین ہوتے؟

ایوب بیگ مرزا: میں شجاع الدین شیخ صاحب کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے یہی کہوں گا کہ واقعتاً ہمارے قول و فعل میں تضاد ہے۔ ہمارے آئین کی دفعہ 2-A میں صاف لکھا ہوا ہے کہ پاکستان کا ریاستی مذہب اسلام ہوگا۔ یہ دنیا کے کسی اور ملک کے آئین میں نہیں لکھا ہوا۔ اسی طرح آئین کی شق 31 میں باقاعدہ یہ لکھا ہوا ہے کہ ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ پاکستان کے شہریوں کو اچھا مسلمان بنائے اور انہیں عربی کی تعلیم دے، قرآن کی تعلیم دے۔ جبکہ دوسری طرف آپ دیکھیں تو شق نمبر 248 کے مطابق ملک کا صدر یا صوبہ کا گورنر کوئی جرم کرے تو کسی عدالت میں ان کے خلاف کوئی مقدمہ نہیں چل سکتا۔ حالانکہ یہ شق اسلام کے سراسر خلاف ہے۔ اسلام میں قانون سب کے لیے برابر ہے۔ اسی طرح شق 45 کے مطابق صدر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ عدالت کی طرف سے

دی گئی قاتل کی سزائے موت کو معاف کر سکتا ہے۔ حالانکہ یہ قانون بھی سراسر غیر اسلامی ہے کیونکہ شریعت کے مطابق یہ حق صرف مقتول کے ورثاء کو حاصل ہے۔ بہر حال ہمارے آئین میں یہ دو شقات خلاف اسلام ہیں۔ اس کے علاوہ آئین میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے آپ کھل کر خلاف اسلام کہہ سکیں۔ آئین میں سود، بے حیائی کی اجازت نہیں ہے لیکن دوسری طرف تعزیرات پاکستان جس کے تحت ملک کا نظام چلایا جاتا ہے اس کے حوالے سے دیکھیں تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے تعزیرات ہند میں سے ''ہند'' مٹا کر پاکستان لکھ دیا گیا ہو۔ گویا اس کا تعلق مذہب سے ہے ہی نہیں۔ اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو غیر اسلامی ہیں، جو اسلام کا راستہ روکنے والی ہیں۔ عائلی قوانین آئین میں نہیں ہیں لیکن تعزیرات پاکستان میں ہیں۔ عائلی قوانین کے بارے میں 1962ء میں تمام علماء کرام نے کہا تھا کہ یہ عائلی قوانین غیر اسلامی ہیں۔ لیکن وہ 58 سال سے چل رہے ہیں۔

سوال: اگر پاکستان نظریاتی ریاست ہوتا تو اس کا نظام کیسا ہوتا؟

شجاع الدین شیخ: اس حوالے سے قرآن ہماری راہنمائی کرتا ہے۔ سورۃ الحج میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وہ لوگ کہ اگر انہیں ہم زمین میں تمکّن عطا کر دیں تو وہ نماز قائم کریں گے، اور زکوٰۃ ادا کریں گے، اور وہ نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔'' (آیت:41)

یہ آیات ہجرت کے موقع پر نازل ہوئی تھیں جس کے بعد ظاہر ہے مدینہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی۔ لہٰذا ان آیات میں اسلامی ریاست کے لیے یہ چار باتیں مینی فسٹو کے طور پر بیان ہوئیں۔ نماز کا نظام قائم ہوگا۔ یعنی اسلامی ریاست میں نماز کا پورا انتظام کرانا ایک اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ آج ہم لوگوں کو مندر بنا کر facilitate کرنے کی باتیں کر رہے ہیں۔ جبکہ پچھلی ستر برس کی تاریخ میں ہماری حکومتوں نے کتنی مساجد تعمیر کی ہیں اور ان کو کتنا facilitate کیا یہ غور طلب بات ہے۔ پھر اسلامی ریاست میں وقت کا حکمران نماز جمعہ اور عید کی امامت کرے گا۔ اسی طرح زکوٰۃ کا ایک نظام ہوگا۔ یہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ لیکن ہمارے ہاں زکوٰۃ میں بھی ڈنڈی ماری جاتی ہے اور عشر کو تو پوچھا بھی نہیں جاتا حالانکہ پاکستان ایک زرعی ملک ہے۔ یہاں عشر کا بہت بڑا حصہ ریاست کا ریونیو بن سکتا ہے۔ اسی طرح اسلامی ریاست میں کفالت عامہ کا بھی ایک تصور ہے۔ جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول مشہور ہے کہ: ''فرات کے کنارے اگر ایک کتا بھی بھوکا مر گیا تو قیامت کے دن عمرؓ سے پوچھا جائے گا''۔ اسی طرح امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ایک نظام قائم کرنا بھی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ عام آدمی تو کسی کو ترغیب دے سکتا ہے لیکن حکمرانوں کے پاس قوت نافذہ ہوتی ہے۔ اگر ہم اسلامی ریاست کے برگ و بار دیکھنا چاہتے ہیں تو پھر ریاستی سطح پر فرائض و واجبات کو ادا کرنے اور منکرات کی بیخ کنی کے لیے محنت اور کوشش کرنا ہوگی۔ اگر واقعتاً یہاں اسلامی فلاحی ریاست قائم کرنا ہے تو سود کا دھندا ختم کرنا ہوگا۔ کیونکہ اس کی وجہ سے ہم اللہ اور رسول ﷺ سے اعلان جنگ کر رہے ہیں۔ اب تو ہم نے چین سے بھی سود پر قرض لینا شروع کر دیا ہے۔ کرونا وائرس کی وجہ سے ساری دنیا شرح سود کو صفر پر لے کر آ رہی ہے لیکن ہم اس کو

> مسلم معاشرے میں حکومتی سرپرستی میں مندر کی تعمیر جائز نہیں کیونکہ وہاں شرکیہ اعمال ہوں گے اور جو بھی اس کی تعمیر میں مدد کرے گا تو وہ اس شرک کے گناہ میں برابر کا شریک ہوگا۔

ختم کرنے کو تیار نہیں ہو رہے۔ بے حیائی کا ایک طوفان ہے جس سے اخلاق کا جنازہ نکل چکا ہے۔ ہمارا کلچر کیا بن گیا۔ ایسے ڈرامے دکھائے جا رہے ہیں کہ جن میں محرم رشتہ داروں کے بارے میں برائی کے معاملات کی انتہا ہو چکی ہے۔ سینماز میں رات کو تین بجے شو چلتا ہے۔ اس ساری بے حیائی کو حکومت ہی پروموٹ کر رہی ہے۔ اسلامی ریاست میں تو صرف اللہ کی حاکمیت ہوتی ہے۔ ہمارے آئین میں بھی یہ شق موجود ہے کہ: "No legislation will be done repugnant to the Quran and Sunnah" اس کی ایک صورت یہ بھی ہونی چاہیے کہ اگر پارلیمنٹ کوئی ایسا بل پاس کرے جو قرآن وسنت کے خلاف ہو تو ایک عام آدمی کو یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ وہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکے، پھر عدالت میں ججز وہ ہوں جو کتاب وسنت کو جاننے والے ہوں اور اس کے مطابق فیصلہ کر سکیں۔ ماضی میں ضیاء الحق نے اسلامی نظریاتی کونسل بنائی لیکن اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے کہ وہ سیاسی، معاشی اور معاشرتی معاملات میں دس سال تک کوئی فیصلہ نہیں دے سکتی۔ اگر یہاں اسلامی ریاست ہوتی تو پارلیمنٹ میں ایسے لوگ نظر آتے جو کم از کم کبیرہ گناہوں سے بچنے والے ہوتے۔ اسی طرح ہم نے آرٹیکل 62، 63 کا خوب مذاق اُڑایا حالانکہ صادق اور امین کی اصطلاح ہم نبی اکرم ﷺ کے تعلق سے ہی استعمال کرتے ہیں۔ اگر یہ اسلامی ریاست ہوتی تو یہاں ایک آئیڈیل میکنزم بھی بنایا جاتا اور اس کے نتیجے میں قانون سازی ہوتی اور کم از کم وہ چار بنیادی ذمہ داریاں تو یہاں پوری ہوتیں جو سورۃ الحج میں بیان ہوئی ہیں۔

سوال: پاکستان کی بہتری کے لیے کن چیزوں پر توجہ دینی چاہیے؟

ایوب بیگ مرزا: ہم مختلف معاملات میں اسلام کا جھنڈا لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ جب ملک میں مکمل طور پر اسلامی نظام نافذ نہیں ہوگا تو چھوٹے چھوٹے معاملات اٹھتے رہیں گے۔ میں اس حوالے سے تمام دینی جماعتوں کی اے پی سی میں یہ بات اٹھا چکا ہوں کہ آپ لوگ غیر اسلامی چیزوں پر اپنا ردعمل دیتے ہیں، حکومت بعض اوقات اس سے خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ جاتی ہے لیکن یاد رکھیے کہ اگر پاکستان میں اسلامی نظام قائم نہ ہوا تو آپ کا یہ پریشر اور قوت دن بدن کم ہوتی چلی جائے گی۔ وہ لوگ جو یہاں غیر اسلامی معاشرہ قائم کرنا چاہتے ہیں ان کی قوت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور ایک دن ایسا آئے گا کہ آپ ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اس ملک میں پہلے اسلامی جماعتوں کے پاس بہت بڑی اسٹریٹ پاور ہوتی تھی لیکن اب وہ نہیں رہی کیونکہ عوام کو معلوم ہو چکا کہ نظام دینی طبقے کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ اس وقت دینی طبقہ صرف چند چیزوں کے پیچھے کھڑا ہے۔ جیسے کہ 295c اور ردِّ قادیانیت اور یہاں بھی صرف اس لیے کھڑا رہ گیا ہے کہ ابھی عوام میں اس حوالے سے جذبات موجود ہیں۔ حکومت یا اسٹیبلشمنٹ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ابھی عوام ان چیزوں کے خلاف کوئی اقدام برداشت نہیں کریں گے لیکن وہ مختلف چیزیں کھڑی کر کے عوام کے جذبات کو ٹیسٹ کرتے رہتے ہیں۔ جوں جوں یہ جذبہ مدھم ہوتا جائے گا تو اینٹی اسلام قوتیں اس طرف بھی بڑھتی چلی جائیں گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ عوام کا بحیثیت مجموعی رجحان صرف اسلامی عبادات اور جذبات کی طرف ہے، اسلامی نظام کی طرف نہیں ہے کیونکہ اسلام جن بڑی برائیوں سے روکتا ہے ان سے عوام بھی اجتناب نہیں کرتے۔ جب عوام خود اسلامی احکامات کی پابندی نہیں کرتے تو پھر وہ اپنے اسلامی جذبے کو تسکین دینے کے لیے ناموس رسالت کے حق میں اور قادیانیت کے خلاف کھڑے ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے اسلام کے تمام تقاضے پورے کر دیے ہیں۔

سوال: پاکستان پر نظریاتی حملوں کو کیسے روکا جا سکتا ہے؟

شجاع الدین شیخ: استادِ محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ اس حوالے سے بہت سادہ سی مثال دیا کرتے تھے کہ دو فوجیں آپس میں لڑ رہی تھیں۔ ایک فوج پہاڑ کے اوپر تھی۔ وہاں سے توپ کے گولے برساتی تھی۔ نیچے والی فوج روزانہ اپنے زخمیوں کو ہسپتال پہنچاتی۔ ایک دن کسی نے کہا کہ کب تک ہم اپنے سپاہیوں کو ہسپتال پہنچاتے رہیں گے، بہتر ہے پہاڑ کے اوپر چڑھ کر ان کو مارو تاکہ وہ گولے برسانا بند کر دیں۔ ہمارا مسئلہ بھی یہی ہے کہ ہم مختلف قسم کے ایشوز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن اصل مسئلہ کی طرف توجہ کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اقبال نے کہا تھا کہ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

جیسے پوری امت خاص ہے اسی طرح یہ مملکت بھی خاص ہے۔ یہ وہ واحد مملکت ہے جس کی بنیاد ہی کلمہ طیبہ: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ یہاں اس کلمہ کا محض قولی نہیں بلکہ عملی اظہار ہو جائے کیونکہ اسی مقصد کے لیے ہم نے اس ریاست کو حاصل کیا تھا۔ ستر برس ہو گئے ہماری دینی جماعتیں انتخابات کی سیاست کی بھول بھلیوں میں گم ہیں اور جو اصل مقصد تھا کہ یہاں شریعت کا نفاذ ہو، وہ مقصد ہی کہیں پیچھے رہ گیا۔ جب تک ہم مرض کو جڑ سے ختم نہیں کریں گے اس وقت تک اس کا علاج ممکن نہیں اور وہ علاج اس طرح ممکن ہے کہ ہم ہر معاملے میں، ہر ایشو میں قرآن اور سنت کے مطابق فیصلے کریں۔ تب شریعت کے احکامات کے نفاذ کا عملی اظہار ہوگا۔

آج جس کا بھی دل چاہتا ہے تو وہ اسلامی اقدار کے خلاف باتیں کرتا ہے۔ اگر یہاں بالفعل شریعت کا نفاذ ہوگا تو پھر کسی میں ایسی باتیں کرنے کی ہمت نہیں ہوگی۔ یہ ریاست کے کرنے کا کام ہے کہ جو شرپسند عناصر ایسی باتیں کرتے ہیں ان پر گرفت ڈالی جائے۔ علماء اور دینی جماعتوں کا کرنے کا اصل کام یہ تھا کہ وہ شریعت کے نفاذ کا مطالبہ لے کر کھڑے ہوتے اور مطالبہ کرتے کہ یہ ملک ہم نے اسلام کے نام پر حاصل کیا ہے اور یہاں پر اللہ کی شریعت کا نفاذ ہونا چاہیے۔ جب ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا انتقال ہوا تو انہی دنوں میں علماء کا ایک اجلاس لاہور میں ہوا تھا۔ اس اجلاس کے اعلامیے میں ایک نکتہ یہ بھی تھا کہ یہاں پاکستان میں تمام مسائل کا حل شریعت کے نفاذ میں ہے اور اس کے لیے اب ہمیں غیر مسلح طریقے سے جدوجہد کرنا پڑے گی۔ واقعی ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں کے مصداق یہاں شریعت کا نفاذ ہوگا تب سارے مسائل کا خاتمہ ہوگا۔

سوال: کیا مندر کی تعمیر میں مدد کرنا جائز ہے؟

شجاع الدین شیخ: بالکل جائز نہیں۔ کیونکہ جس مندر کی تعمیر ہوگی اس میں اللہ کے ساتھ شرک کے اعمال ہوں گے اور جو بھی اس کی تعمیر میں کسی قسم کی کوئی مدد کرے گا تو وہ بھی اس شرک کے گناہ میں برابر کا شریک ہوگا۔

سوال: کیا کوئی مسلمان ملک مندر کی تعمیر کے لیے جگہ یا مالی معاونت فراہم کر سکتا ہے؟

شجاع الدین شیخ: اس میں کچھ فقہی مباحث بھی ہیں۔ البتہ میں کچھ معروف علماء کے فتاویٰ کی روشنی میں عرض کروں گا کہ علماء کے نزدیک جو علاقہ مسلمانوں نے بزورِ طاقت فتح کیا ہو وہاں مندر بنانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ البتہ جہاں غیر مسلموں کے ساتھ صلح ہوگئی ہو اور وہ مسلمانوں کے ساتھ رہ رہے ہوں وہاں اگر غیر مسلم مندر بنانا چاہیں تو مسلمانوں کا اجتماعی نظم اس کی اجازت دے گا لیکن اس میں کسی بھی طرح کی مدد نہیں کی جائے گی

ایوب بیگ مرزا: میں سمجھتا ہوں کہ اس میں شاید کوئی دو رائے نہیں ہیں کہ کسی مسلم ملک کے لیے یہ جائز ہی نہیں کہ وہ مسلمانوں کے بیت المال میں سے مندر بنانے کے لیے رقم دے دے یا زمین دے دے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ کیا حکومت کو اجازت بھی دینی چاہیے یا نہیں؟ میں کہتا ہوں کہ حکومت کو کوئی رقم دینے کا سوچ بھی نہ۔

سوال: مسلمان ملک میں اقلیتوں کو کیا حقوق حاصل ہیں؟

شجاع الدین شیخ: جو غیر مسلم اقلیتیں ایک مسلمان معاشرے میں رہتی ہیں اور وہ مسلمانوں کے اجتماعی نظم یا حکومت کو تسلیم کرتی ہیں تو اسلام ان کے حقوق بہت واضح انداز میں بیان کرتا ہے کہ ان کی جان، مال، آبرو، ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے اور اسلام ان کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی دیتا ہے۔ ان کو جبراً ہم مسلمان نہیں کر سکتے۔

سوال: کیا پاکستان میں اقلیتیں اپنے مذہب کی تبلیغ کر سکتی ہیں؟

شجاع الدین شیخ: ایک سوال اٹھتا ہے کہ مسلمان بھی تو غیر مسلم ممالک میں جا کر تبلیغ کرتے ہیں۔ یہ سوال افغان طالبان کے دور میں بھی اٹھا تھا جب انہوں نے عیسائی مبلغین کو تبلیغ سے منع کیا تھا۔ بہرحال جن ممالک میں مسلمان سکالرز جاتے ہیں، جماعتیں جاتی ہیں ان کو اس لیے اجازت ہونی چاہیے کہ ان ممالک نے اپنے ملک کی بنیاد اپنے مذہب کو قرار نہیں دیا۔ لیکن پاکستان چونکہ اسلام کی بنیاد پر بنا ہے اس لیے یہاں غیر مسلمانوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔

سوال: کیا تنظیم اسلامی کی طرح عوام اور دیگر جماعتیں بھی پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کی ضرورت محسوس کر رہی ہیں؟

شجاع الدین شیخ: اس حوالے سے ہمیں بالکل مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ دنیا میں اس حوالے سے بات اٹھ رہی ہے۔ چند سال پہلے برٹش کونسل نے کراچی کی یونیورسٹیز میں اسلامی شریعت کے نفاذ کے حوالے سے ایک سروے کروایا تو 76 فیصد طلبہ نے رائے دی کہ شریعت کا نفاذ ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ نفاذ شریعت کے لیے پُرامن انقلابی جدوجہد کے سوا کوئی راستہ ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ آج علماء کے طبقہ کے بعض لوگ بھی یہی بات کر رہے ہیں کہ شریعت کے نفاذ کے لیے پرامن جدوجہد کی جائے۔ کچھ عرصہ پہلے مفتی تقی عثمانی نے علماء سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ آج تک ہم نے بھی کسی منکر کے خلاف تحریک چلائی؟ اصل میں ابھی تک ہماری بہت ساری دینی جماعتیں اس مخمصے کا شکار ہیں کہ نفاذ شریعت کے لیے انتخابات کا راستہ اختیار کرنا چاہیے اور اس پیراڈائم میں وہ اتنے تربیت یافتہ ہو چکے ہیں کہ انہیں اس سے نکالنے کے لیے ہمیں اور بھی وقت درکار ہوگا۔ اگر شریعت کا نفاذ ہو جائے تو کتنے کروڑ لوگوں کو معاشی بے انصافی اور ظلم سے نجات ملے گی۔ اس کے لیے کچھ جنونی قسم کے لوگوں کی ضرورت ہے، وہ لوگ جو اپنی زندگی اس کام کے لیے تج دیں، جو اپنے لیے کم سے کم گزارے والی زندگی گزارنے کے لیے تیار ہوں، جو اپنا سب کچھ لگانے کھپانے کے لیے تیار ہوں۔ جب تک اس طرح کے چند جنونی لوگ میسر نہ آجائیں کہ جن کی زندگی کا واحد مقصد اپنے رب کو راضی کرنا ہو اور وہ نفاذ دین کی جدوجہد کو اپنا فرض سمجھیں تب تک کوئی تحریک واقعتاً اٹھ نہیں سکے گی۔ بہرحال مثبت پیش رفت یہی ہے کہ ہمارے کالجز، یونیورسٹیز کے طلبہ جن کو ہم سیکولر خیال کرتے ہیں وہ بھی شریعت کی طرف آ رہے ہیں۔ لہٰذا ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ اللہ کی رحمت سے اُمید رکھنی چاہیے۔ ہمیں صرف اللہ کی رضا کے لیے کام کرنا ہے اللہ کی مشیت سے اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔

ان شاء اللہ!

قارئین پروگرام ''زمانہ گواہ ہے'' کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر دیکھی جا سکتی ہے۔

قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم سنت

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

حضرات! آپ کے علم میں ہے کہ حج اور عید الاضحیٰ کا سارا معاملہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت اور سیرت کے گرد گھومتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین نسبتیں ہیں جو بہت بلند ہیں۔ ایک یہ کہ آپؑ امام الناس ہیں، اور امام الناس کا یہ منصب آپ کو شدید امتحانات میں سے کامیابی سے گزر کر حاصل ہوا ہے۔ دوسرے یہ کہ آپؑ ابوالانبیاء ہیں۔ سینکڑوں نبی آپ کی نسل میں آئے ہیں۔ آپؑ کی تین بیویوں سے تین نسلیں چلیں اور تینوں کے اندر انبیاء آتے رہے۔ حضرت سارہ علیہا السلام کی اولاد میں سے حضرت اسحاق علیہ السلام کی طرف سے نبوت کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی اولاد میں سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اور اسی طرح قطورہ علیہا السلام میں سے بھی حضرت شعیب علیہ السلام۔ اور تیسری نسبت یہ کہ آپ خلیل اللہ ہیں۔

قرآن کے نزدیک ہم دنیا میں جو زندگی بسر کر رہے ہیں یہ ہماری کل زندگی نہیں ہے۔ یہ زندگی تو امتحانی وقفہ ہے۔ اصل زندگی تو موت کے بعد شروع ہوگی ؎

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم دواں ہر دم جواں ہے زندگی

یہ موت وحیات کا سلسلہ اللہ نے ایک لمبی زندگی میں سے ایک حصے کے طور پر ہمیں عطا کیا ہے، مقصد کیا ہے، یہ کہ اللہ انسان کو آزمائے کہ کون ہے جو اچھے عمل کرنے والا ہے۔ فرمایا:

﴿الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط﴾ (الملک:2)

’’اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے۔‘‘

اب یہ امتحانات اور آزمائشیں ہر شخص کو درپیش ہوتے ہیں۔ لیکن ان امتحانات کا ایک مکمل نقشہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت میں نظر آتا ہے۔ دیکھیے، سب سے پہلا امتحان ہر انسان کا یہ ہے کہ اپنے رب کو پہچانے۔ انسان خود بخود نہیں آیا، کسی کا بھیجا ہوا ہے، خود بخود پیدا نہیں ہو گیا کسی کا پیدا کردہ ہے، لیکن یہاں آکر اُس پر مادی پردے طاری ہو جاتے ہیں جو اللہ کی معرفت میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ تو انسان کا پہلا امتحان یہ ہے کہ اگر اُس کی عقل سلیم ہے، فطرت صحیح ہے تو اللہ کو پہچانے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اس امتحان سے دوچار کیے گئے۔ اُس زمانے میں تین قسم کے شرک تھے، ایک بت پرستی، دوسرا ستارہ پرستی اور تیسرا سیاسی شرک تھا۔ سیاسی شرک کا مظہر نمرود کا دعویٔ خدائی تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فطرت سلیمہ اور عقل سلیم ان میں سے ہر ایک کی نفی کرتی چلی گئی، اس کے اندر بھی الوہیت نہیں ہو سکتی، اس میں بھی نہیں ہو سکتی، ان تمام منزلوں کو طے کرکے بالآخر وہ پہنچ گئے:

﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ O﴾ (الانعام:79)

’’میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے تئیں اسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔‘‘

گویا میں نے تو تمام ان باطل معبودوں سے صرف نظر کرکے اور اپنی نگاہ جمالی ہے اس ذات پر جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ میرے نزدیک چاند، سورج اور ستارے ہرگز الٰہ نہیں ہو سکتے، کہ یہ ڈوب جانی والی چیزیں ہیں۔ ان کے لیے دوام نہیں ہے۔ میرا معبود وہ اللہ تعالیٰ ہے، جس کے لیے دوام اور ہمیشگی ہے۔ شرک کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کو پہچانا، یہ ان کی پہلی کامیابی تھی۔

اب اس کے بعد امتحان شروع ہوتا ہے استقامت کا۔ ہدایت تو مل گئی، لیکن ہدایت پر قائم رہنا یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے، کیونکہ اب تکالیف آئیں گی، مصائب آئیں گے، اندازہ کیجیے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت خانے میں داخل ہو کر بتوں کو توڑا ہو گا تو کیا قیامت صغریٰ برپا ہوئی ہو گی۔ اگر آج بنارس (ہندوستان) میں کوئی شخص بت خانے میں داخل ہو کر ان کے بتوں کو توڑ دے تو کیا ہوگا۔ آپؑ نے تمام بت توڑ دیئے سوائے ایک بڑے بت کے اور تیشہ اس بت کے کندھے پر رکھ دیا۔ جب لوگوں نے ٹوٹے ہوئے بتوں سے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا تو آپ نے کہہ دیا کہ اس سے پوچھو۔ واقعاتی شہادت تو یہ ہے کہ بتوں کو اس نے توڑا ہوگا۔ کیونکہ باقی سارے ٹوٹ گئے اور یہ کھڑا ہے۔ قوم کے لوگ کہنے لگے، ابراہیم علیہ السلام تم جانتے ہو کہ یہ بات نہیں کر سکتا۔ اب آپؑ نے فرمایا، تف ہے تمہارے اوپر، تم ایسی ہستیوں کو پوجتے ہو جو بات نہیں کر سکتیں، جواب نہیں دے سکتیں۔ اس کے لیے جو ہمت درکار ہے اس کا آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔

اب آپؑ کو بادشاہ کے دربار میں پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے کہا، میں ہوں خدا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے کہ میں تو اس خدا کو مانتا ہوں جو زندہ رکھتا ہے اور مارتا ہے۔ بادشاہ کٹ حجتی پر آ گیا۔ کہنے لگا، یہ تو میں بھی کرتا ہوں۔ چنانچہ اُس نے قید خانے سے دو قیدی منگوائے، ایک کی گردن اڑا دی اور ایک کو چھوڑ دیا اور کہنے لگا، دیکھو میں نے اپنے اختیار سے ایک شخص کو بچا لیا اور ایک کو مار دیا۔ اب اُسے مسکت جواب کی ضرورت تھی۔ چنانچہ آپؑ نے فرمایا، میرا رب وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، اگر تو ربوبیت کا مدعی ہے تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا۔ اس پر بادشاہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اب اس کے بعد ایک اور امتحان آیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ایک بہت بڑا آلاؤ بناؤ اور اس نوجوان کو اُس کے اندر جھونک دو۔ چنانچہ ایک بڑا الاؤ بنایا گیا۔ اس میں آگ دہکائی گئی۔ اوپر مکان بنایا گیا، وہاں سے پھینکنا تھا۔ بادشاہ اور اُس کے مصاحبوں کا خیال تھا کہ جوان خون ہے، لہٰذا یہ نوجوان ابھی بڑھ چڑھ کے بول رہا ہے، لیکن جب اسے آگ کا آلاؤ دکھائی دے گا اور موت نظر آئے گی تو اِس کی ہمت جواب دے جائے گی۔ یہ دراصل ان لوگوں نے تو ایک چال چلی تھی کہ کسی طریقے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈرا کر اس موقف سے واپس لایا جائے، لیکن وہ ناکام ہوئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاملہ کیا ہوا؟ علامہ اقبال کہتے ہیں ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

وہ دل جو اللہ کی محبت سے سرشار تھا، اس نے ایک لمحہ کے

لیے بھی کوئی ہچکچاہٹ نہیں کی، بلکہ بے خطر اس آگ کے اندر کود پڑا۔ لیکن آگ نے آپ کو نہیں جلایا، کیونکہ اللہ نے آگ کو گل وگلزار بنادیا۔

رسولوں کے باب میں اللہ کا یہ قاعدہ رہا ہے کہ جب کوئی قوم اپنے رسول کے قتل پر آمادہ ہو جاتی ہے، تو رسول کو حکم ہوتا ہے کہ وہاں سے ہجرت کر جاؤ، اس کے بعد اس قوم پر عذاب آتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم پر کوئی عذاب آیا یا نہیں، اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ لیکن عمومی قاعدہ یہی ہے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس واقعے کے بعد طے کیا کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں، میں کہیں اور چلا جاؤں گا۔ اب میں یہاں نہیں رہوں گا۔ اور ساتھ ہی یہ دُعا کی اے اللہ! مجھے نیک اولاد عطا فرما۔ اس کے بعد کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا بڑا حصہ مہاجرت میں گزرا۔ آپؑ عراق میں پیدا ہوئے تھے، اور عراق سے ہجرت کر کے شام گئے۔ شام سے فلسطین پہنچے۔ فلسطین سے مصر گئے۔ اور اس کے بعد مصر سے آکر پھر مستقل ڈیرہ فلسطین میں لگا لیا، لیکن وہاں سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے ایک بیٹے اور بیوی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو لے جا کر حجاز کی وادی میں آ گئے، جہاں گھاس تک نہیں اُگتی۔ اب جیسے جیسے بیٹا جوان ہو رہا تھا، یوں سمجھئے کہ بوڑھے باپ کی رگوں کے اندر توانائی آرہی تھی۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ میرا بیٹا میرے ساتھ، میرے مشن کے اندر شریک بنے گا، جو کام میرے ذمے اللہ نے لگایا تھا، وہ میرے بعد میرا بیٹا جاری رکھے گا، لیکن یہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سب سے بڑا امتحان ابھی آنا ہے، جس سے بڑے امتحان کا تصور ممکن نہیں، وہ امتحان کیا ہے، اُس کے بارے میں فرمایا:

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ﴾ (الصّٰفّٰت:102)

''جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا کہ بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ (گویا) تم کو ذبح کر رہا ہوں تو تم سوچو کہ تمہارا کیا خیال ہے۔''

یہ خواب دیکھ کر آپؑ حیران ہوئے، دوسری رات پھر یہ خواب دیکھا، تیسری رات پھر دیکھا۔ نبی کا خواب بھی وحی ہوتا ہے، غلط نہیں ہوتا۔ اب بیٹے سے بات کی اے بیٹے! میں پے بہ پے خواب میں دیکھ رہا ہوں، بار بار دیکھ رہا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں، تو اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے۔ بیٹا جو بڑا حلیم الطبع اور بردبار تھا، جس کی عمر اُس وقت 13 برس تھی بولا:

﴿قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ١٠٢﴾ (الصّٰفّٰت)

''انہوں نے کہا کہ ابا جو آپؑ کو حکم ہوا ہے وہی کیجئے۔ اللہ نے چاہا تو آپؑ مجھے صابروں میں پائیں گے''

پھر کیا ہوا؟

﴿فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ١٠٣﴾ (الصّٰفّٰت)

''جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا''

جب ان دونوں نے اللہ کی مرضی کے سامنے سرِتسلیم خم کر دیا۔ ''اَسْلَمَا'' باب افعال سے تثنیہ مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اس سے اس کا مصدر اسلام آتا ہے۔ اسلام کے معنیٰ کیا ہیں۔ اللہ کی مرضی کے سامنے اپنی مرضی کو بچھا دینا، گرا دینا، سرنڈر کر دینا۔ یہی اسلام ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ نہ سوچا کہ اکلوتا بیٹا ہے، 87 برس کی عمر میں ہوا ہے، اس سے بڑی اُمیدیں وابستہ ہیں۔ اِسے کیسے ذبح کروں بلکہ یہ خیال کیا کہ یہ اللہ کا حکم ہے، جسے مجھے بہرصورت پورا کرنا ہے۔ لہٰذا بیٹے کو زمین پر پیشانی کے بل لٹا دیا۔ پیشانی کے بل لٹانے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اپنے اندر کوئی کمی تھی، یا بیٹے کی طرف سے کسی مزاحمت کا کوئی اندیشہ تھا بلکہ ایسا اس لیے کیا کہ کہیں محبت پدری جوش مار جائے اور عین وقت پر کہیں ہاتھ ڈگمگا نہ جائیں۔ آپؑ نے چھری چلائی مگر اُس نے گلا نہیں کاٹا۔ اور اسی وقت ندا آگئی:

﴿وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ١٠٤ۙ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ١٠٥ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰۗـؤُا الْمُبِيْنُ ١٠٦﴾ (الصّٰفّٰت)

''تو ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم علیہ السلام تم نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی۔''

اِس آزمائش میں بھی آپؑ سرخرو ہو کر نکلے۔

﴿وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ١٠٧ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ١٠٨ۖ سَلٰمٌ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ ١٠٩﴾ (الصّٰفّٰت)

''اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا اور پیچھے آنے والوں میں ابراہیم کا (ذکرِ خیر باقی) چھوڑ دیا۔''

اب اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اسی وقت جنت سے ایک مینڈھا آیا جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ پر ذبح ہوا، اور دوسری تعبیر یہ ہے، کہ آپؑ کی یہ سنت ہمیشہ کے لیے جاری کر دی گئی ہے۔ ہم جو قربانی کرتے ہیں یہ اُسی قربانی کا تسلسل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا: ''یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے'' البتہ ہمارے لیے جو لمحہ فکریہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو بیٹے کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو گئے، کیا ہماری یہ قربانی کہیں اس درجے میں ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ ایک نشانی ہے، شعائر اللہ میں سے ہے اور یہ شعائر اللہ بھی اہم ہوتی ہیں۔ شعائر اللہ علامات ہوتی ہیں۔ مثلاً خانہ کعبہ بھی شعائر اللہ میں سے ہے۔ صفا اور مروہ شعائر اللہ ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قربانی کے جانوروں کو بھی شعائر بنا دیا ہے۔ اس کے ذریعے سے شعور حاصل کرو کہ زندگی کا مقصد کیا ہے۔

حضرات! اگر آپ کا کسی درجے میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کا ارادہ ہے، تو آج ہی یہ طے کر لیجئے کہ اپنی اولاد کو دنیا کے لیے نہیں بلکہ دین کے لیے تیار کرنا ہے۔ اگر آپ یہ طے کر لیتے ہیں تو پھر اپنی وہ اُمنگیں جو اولاد سے وابستہ ہیں ان کو ذبح کریں، اور خلوص دل سے یہ دعا کریں اے اللہ میرے اس بیٹے کو، میری اس اولاد کو اپنے دین کے لیے قبول کر لے۔ اگر ہماری نیت یہ ہو جائے تو کسی نہ کسی درجے میں ہماری قربانی کی بھی کچھ نہ کچھ مناسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس قربانی کے ساتھ ہو جائے گی۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ کی رضا کے لیے اپنے جذبات کو قربان کریں، اپنے مفادات کو قربان کریں۔ جب آپ بکرے کی گردن پر چھری پھیریں تو اس وقت یہ خیال کیجئے کہ اے اللہ میں اپنے جذبات وخواہشات پر بھی یہ چھری پھیر رہا ہوں، اے اللہ میری اس چھری کو صرف اس بکرے کے اعتبار سے نہیں میرے جذبات وخواہشات کے اعتبار سے بھی قبول فرما۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اور آپ کی قربانیوں کو طرح قبول فرمائے۔ آمین!

ڈراما ارطغرل: ایمان ساز یا ایمان سوز (II)

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

(گزشتہ سے پیوستہ)

آج ہم اتنے بے توفیق ہوگئے کہ بھری لائبریریوں سے کتابیں پڑھنے کی بجائے اداکار مرد و زن قرآن کے سارے حکم توڑ کر موسیقی کی سنگت میں ہمارے بچوں کو جہاد فی سبیل اللہ پڑھائیں گے۔ سورۃ آل عمران، الانفال، التوبۃ، الاحزاب، محمد، ہمارے نصابوں سے نکل جائیں گی۔ اداکار اور ماڈل نقلی تلواروں سے سوانگ بھر بھر کر جہادی ناٹک رچائیں گے۔ ڈاکٹر عافیہ (ہزاروں قرآن کفار میں بانٹنے والی) جیل میں سڑ رہی ہوگی۔ اس کی لائق فائق وفادار بہن اس کے بچے پالتی در در پر دروازے کھٹکھٹاتی پوچھتی پھرے گی۔ کوئی ابن قاسم؟ ہمسایہ ملک افغانستان میں امریکا اور 49 اتحادی (بشمول خود پاکستان!) اسے روند ڈالیں، کھنڈر کر دیں گے۔ ہم مصنوعی دجل فریب بھرے اشک شوئی ڈراموں پر سر دھنا کریں گے۔ کفر کے مقابل کھڑے ہونے والے 'جہادیوں' کو حقیقت کی دنیا میں دہشت گرد ٹھہرائیں گے! عقوبت خانوں میں انہیں سڑائیں گے، پولیس مقابلوں میں ماریں گے اور اے ڈراما بینو! تم بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانے والوں میں سے ہوگے!

پوری قوم ڈراما باز ہے! اس ڈرامے کے عملی اثرات ڈھونڈے تو ایک جگہ مل بھی گئے۔ آپ بھی دیکھیے اور سر دھنیے۔ یہ لاہور ہے۔ زندہ دلوں کا شہر۔ یہاں مرغزار ہاؤسنگ اسکیم ملتان روڈ پر خوبصورت سرسبز پارک میں بہادر شہ سوار ارطغرل کا مجسمہ کھڑا کر دیا گیا ہے۔ گھڑسوار تلوار لٹکائے عازم جہاد ہونے کو تلا کھڑا ہے۔ چشم تصور سنگی مجسمے کے ساتھ 2 کروڑ 40 لاکھ پتھر دل ڈراما بینوں کا لشکر دیکھتی ہے، کشمیر، شام، فلسطین کی کسمپرسی نے جنہیں بے قرار نہ کیا، عازم جہاد نہ ہوئے، ڈرامے کے سنگ دن رات ایک کیے۔ چشم او بے نم، دل او سنگ وخشت (اس کی آنکھ بے نم اور دل پتھر کا ہے!) خراج تحسین پیش کرنے کا اس سے بہتر عمل کیا ہوگا!

ذوالحج آنے والا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی، حج (اگر مقدر ہوگیا) پر کعبۃ اللہ سے 360 بتوں کو جاء الحق وزھق الباطل (بنی اسرائیل: 81) کہتے ہوئے مبارک عصا کی نوک سے گرانے والے ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے محمد ﷺ کے یہ امتی!

ڈراما جوانوں کو دکھانے کی چاہت پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور فرمالیجیے۔ جو طبقہ پلا ہی رطب و یابس پر ہے، جس کی اٹھان ہی اسٹار پلس نما ڈراموں پر ہے، ہمیں ان سے غرض نہیں۔ لیکن یہ جو صحت مند خاندانوں کو ایمانی قوت اور شفا کا نسخہ پڑھایا جا رہا ہے، ہمیں صرف ان کو متوجہ کرنا ہے۔ قومی سطح پر حکومت پہلے ہی عالمی دجالی نظام کی تشفی کی خاطر نوجوان نسل کی بربادی کا ہمہ نوع انتظام کر چکی ہے۔ اب اگر اہل دین بھی اس کی تائید و تحسین پر اتر آئیں گے تو کجا ماند مسلمانی! تبلیغ دین کے لیے نبی کریم ﷺ نے بلاشبہ کمریں پکڑ پکڑ کر آگ سے بچانے کی بھرپور کوشش کی، مگر ٹھیٹھ توحید، رسالت، آخرت کا عقیدہ رگ و پے میں اتارنے کے ذریعے۔ ثقافتی تقاضے تو اس وقت بھی عین یہی تھے جو آج ہیں، نیا کچھ بھی نہیں۔ مکہ کے وزیر ثقافت نضر بن حارث کی قصہ خوانی کی چوپالیں طویل، دلچسپ، سنسنی خیز کہانیاں، ڈراما سیریل کی ابتدائی صورت تھی۔ خوبصورت نغمگیں لونڈیوں کا ہتھیار استعمال کرتا تھا ان نوجوانوں کے لیے جو اسلام سے متاثر ہونے لگتے۔ فرعون سے زیادہ ذہین تھا۔ یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا، افسوس کہ فرعون کو ڈراموں کی نہ سوجھی! یہ ثقافتی چیلنج تھا جو، جوانوں کی توجہ ہٹانے اور آخرت کا خوف دور کرنے کے لیے استعمال ہوا۔ اس کا مقابلہ اسلامی ثقافتی حیلوں سے نہ کیا گیا۔

رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو کہانیاں سنائیں، وہ بھی قصہ خوانی کے اسفل مقاصد کو پورا نہیں کر رہی تھیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی کہانی تشنہ چھوڑی گئی، یہی معاملہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی کہانی کا تھا۔ ''کسی انسان کا اسلام تب بہتر ہوگا جب وہ فضولیات چھوڑ دے'' کا مزاج بنایا۔ اسلام سنجیدگی، ذمہ دارانہ رویہ، خواہشات نفس پر قابو، آزمائشوں سے گزرنے کا حوصلہ، صبر و ضبط مانگتا ہے۔ نضر بن حارث کے مقابل سیدنا بلال اور سیدنا خباب رضوان اللہ علیہما جیسے جی دار بہادر شیر تھے جنہیں پڑھ کر بھی دل سینوں میں لرز جاتے ہیں۔ جنت کی قیمت ادا کرنے والے۔

انہی پتھروں پر چل کر اگر آسکو تو آؤ
میرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

سرتاپا زندگی مشاغل، دلچسپیاں بدل دینے کی دعوت پر کفار نے تلملا کر کہا تھا: ''اس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں کچھ ترمیم کرو۔'' اللہ نے ہی جواب دیا: ''(اے محمد ﷺ) ان سے کہو میرا کام یہ نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبدل کرلوں۔ میں تو بس اس وحی کا پیرو ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک ہولناک دن کے عذاب کا ڈر ہے۔'' (یونس: 15)

فتنۂ دجال کا تریاق بنا کر عطا کردہ سورۃ الکہف، حیوانی آزادی، آزادانہ اختلاط، تعیش پسندی، لہو و لعب، عیش پرستی کے طرز زندگی کی نفی آیت 28،27 میں کر کے دونوں راستے واضح کر دیتی ہے۔ انکار کا خوفناک انجام اور اطاعت، اللہ کی بندگی کے عوض دائمی راحتوں کی لامتناہی زندگی! سورۃ عبس میں بھی منہ موڑنے والے متکبر سرداروں پر عتاب ہوا، جو قرآن مجید کی دعوت سے تحقیر بھرا رویہ اختیار کر رہے تھے۔ ''ہرگز نہیں، یہ تو ایک نصیحت ہے جس کا جی چاہے اسے قبول کرلے۔'' آگے قرآن کی عظمت کا بیان، کیونکہ یہ کتاب بالاتر ہے اس سے کہ اعراض برتنے والوں، خناسوں کے آگے اسے 'بالحاح' پیش کیا جائے۔ (عبس: 11 تا 16) معزز و مکرم کاتب وحی فرشتوں، جبرئیل امین جیسی (شدید القویٰ، ذومرۃ) ہستی کے ذریعے امام الانبیاء، خاتم الانبیاء، نبی مکرم محمد ﷺ کے سینہ مبارک پر اترنے والی عظیم الشان کتاب کے وارث ہیں ہم!

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

کیا ہم قرآن کی دعوت جہاد (485 آیات پر محیط) اس کا حیات بخش پیغام، تین براعظموں پر سر سے کفن باندھے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ، سید الشہداء سے چلنے والے عظیم قافلے کو شرابی، اختلاط، برہنگی کے مارے حد شکن اداکاروں، موسیقاروں، فلم ڈائریکٹروں کے حوالے کر دیں گے؟ بلاشبہ تمام انبیاء علیہم السلام نے فتنۂ دجال سے پناہ

مانگی تو اسی لیے مانگی کہ دجل وفریب کے ایسے فتنے اٹھیں گے کہ ایمان بچانا مشکل ہوجائے گا۔ تراویح پڑھانے والے بعض حافظوں نے، روزہ داروں تک نے وقت نکال کر ارطغرل رمضان میں دیکھنا ضروری جانا۔ ایسے ہی ایک نوجوان نے ٹویٹ کیا۔ 'الحمدللہ! آج میں نے مکمل اقساط دیکھ لیں!' یہ جو تنبیہات ہیں تازہ کرلیں: "بعض فتنے ایسے ہوں گے کہ ان میں جھانکنے والا بھی ان میں مبتلا ہوجائے گا"۔ (بخاری) "بعض فتنے ایسے ہوں گے جن کے دروازوں پر آگ کی طرف بلانے والے کھڑے ہوں گے۔" (ابن ماجہ)

150 اقساط پر مبنی ڈراما، سورۃ العصر، المومنون اور الفرقان میں لغو سے اعراض والی آیات کے ہوتے کیسے دیکھا جاسکتا ہے؟ 'قرآن دلیل ہے تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف'۔ (حدیث کے بموجب)

اب جو اللہ کی ناراضی ہے، اس کا مظہر پے درپے علماء کی وفات کا پریشان کن سلسلہ ہے۔ شیوخ القرآن والحدیث یوں قطار اندر قطار لے جائے جارہے ہیں کہ مختار مسعود کا ایک قول پورا ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ ''بڑے لوگ انعام کے طور پر دیے جاتے ہیں اور سزا کے طور پر اٹھا لیے جاتے ہیں۔'' اللہ! کیا ہم علماء کی جگہ اداکاروں کے حوالے کردیے جائیں گے؟ یہ مقام توبہ واستغفار ہے۔ علمائے حق تمہارے درمیان اجنبی ہوکر رہیں اور تم ڈراما بازی کے اسیر ہوجاؤ؟ تازہ ترین تصویر ارطغرل نے پاکستانی پرستاروں کی دید کے لیے بھیجی ہے، جس میں وہ چار جوان کم لباس لڑکیوں میں گھرا بیٹھا ہے۔ "ارطغرل کا ہیرو، بیوی اور 'دوستوں' کے ہمراہ"۔ چار میں سے بیوی کون سی ہے، نامعلوم! ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا...... الخ﴾ (آمین) یہ ماڈرن ترکی کے یورپی مزاج عوام میں سے ایک ہے! پاکستانیوں کے لیے مجاہد اعظم! ابھی تو ہم نے ﴿لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ﴾ کو آنکھوں سے دیکھا ہے۔ بغیر موبائل، انڈرائیڈ، واٹس ایپ کے، پرچیوں پر پیغام رسانی کرنے والی طالبان کی سپاہ، ہرنوعیت کی ماڈرن ٹیکنالوجی سے خالی ہاتھ! جس کا سپہ سالار موٹر سائیکل پر بیٹھ کر 2001ء میں دشمن کی آنکھوں میں دھول جھونکتا نکل گیا۔ جو آخری دور، کفر سے چند گز کے فاصلے پر پورے اطمینان سے قرآن بدست زندگی کے دن گزارتا ابدی گھر رب کو (ان شاء اللہ) راضی کرکے لوٹ گیا۔ کفر کو خبر لگتے دو سال گزر گئے۔ خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بے خبر نکلے! نوجوانوں کو ارطغرل نہیں ملا عمرؒ کی مثال درکار ہے جو عین ان کے سامنے دھری ہے! انہیں اکیسویں صدی کی حقیقت میں لائیے، بجائے تیرہویں صدی کے ڈراموں کے! خلافت عثمانیہ کے سقوط، اس کے بعد کے غم آگیں حالات کی تلخ حقیقت سے یہ نسل بے بہرہ ہے۔

اسی ڈرامے کا دوسرا پہلو ہمارا محبوب برادر ملک ترکی اور صدر اردگان ہیں۔ صدر موصوف اس گئے گزرے دور میں اشرف غنی، السیسی جیسے حکمرانوں کے مقابل، امت کے بہی خواہ اور کسی درجے میں اسلامیت کے حامل ہیں۔ غیرت دینی رکھتے ہیں، کفر کی آنکھوں میں کھٹکتے ہیں۔ تاہم ترکی کا پاکستان سے موازنہ کسی صورت نہیں ہوسکتا اسلامی حوالے سے۔ پاکستان کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی بنیاد پر بننے والا ملک جس کی اسلامی شناخت بچانے، بنانے کے لیے اہل دین نے بے حساب قربانیاں دی ہیں۔ قادیانیت، پرویزیت ودیگر فتنوں کے مقابل دیوار بن کر کھڑے ہوئے ہیں۔ ملک کے طول وعرض میں دینی مدارس کا جال بچھا ہوا ہے۔ ترکی، سقوطِ خلافت کے بعد اسلام کے حوالے سے ایک قیامت سے ہوگزرا ہے۔ اس المناک باب کو تازہ کیے بغیر آپ ترکی اور پاکستان مابین فرق نہیں سمجھ سکتے۔

کمال اتاترک نے عثمانی سلطنت کے خاتمے کا اعلان (1924ء) کرکے صدارت سنبھالی اور ایک مکمل غیر مذہبی جمہوریہ کا آغاز کیا۔ اتاترک کے اندر نہ خدا پر ایمان تھا نہ زندگی بعد موت پر یقین۔ اسلام اور راسخ العقیدہ مذہبیت سے اسے شدید نفرت تھی۔ اس کی انتہا یہ تھی کہ مصطفی کمال نے شیخ الاسلام کے سر پر، جو اسلام کے بڑے عالم اور قابل احترام بزرگ تھے، قرآن مجید اٹھا کر پھینک مارا تھا۔ (اتاترک کے ہمدرد سوانح نگار عرفان اورگا کی کتاب: 'اتاترک') ترکی کو مغربی اقوام کے رنگ میں رنگ دینے کی خواہش خبط کی حد تک تھی۔ ترکی ٹوپی کو خلاف قانون قرار دے کر ہیٹ کا استعمال لازمی کردیا۔ حتیٰ کہ ان تبدیلیوں پر خون ریز جنگ ملک میں چھڑ گئی۔ مذہبی حلقے کے افراد پر پھانسیوں کے دروازے کھل گئے۔ وہ خود شراب، عورت اور موسیقی کا رسیا تھا اور ان لوگوں سے نفرت کرتا تھا جو اس سے اختلاف رکھتے تھے۔ اس نے پوری قوم کی عقلیت، عقائد، تصورات، زندگی کے جزئیات تبدیل کرنے کی مہم شروع کردی۔ اسلام کو سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل نہ رہی۔ شریعت منسوخ کرکے، سوئٹزرلینڈ کا دیوانی قانون، اٹلی کا فوجداری قانون، جرمنی کا بین الاقوامی تجارت کا قانون اور پرسنل لاء کو یورپ کے قانون دیوانی کے مطابق وماتحت کردیا۔ دینی تعلیم ممنوع، پردہ خلاف قانون ٹھہرا۔ قوم کا لباس مغربی ہوگیا۔ مخلوط تعلیم نافذ کی۔ رسم الخط عربی سے بدل کر لاطینی کردیا۔ عربی میں اذان ممنوع ہوگئی۔ اسلام کو عربوں کا طریق زندگی قرار دے کر ترکی بدر کردیا۔ صرف رسم الخط بدل دینے سے نئی نسل فارسی عربی ترکی لٹریچر کے سارے دینی، تہذیبی ماخذوں سے محروم ہوگئی۔ (مسلم ممالک میں اسلامیت ومغربیت کی کشمکش: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) زوال کا سفر آسان ہوگیا۔ پاکستان میں جو اردو کو موبائل، اشتہاروں، بل بورڈوں پر انگریزی حروف تہجی میں ڈھال کر لکھنے کی فراوانی ہوئی ہے وہ بھی اتنی ہی خطرناک ہے۔ نئی نسل اردو سے بڑی محنت سے محروم کی جارہی ہے نہایت تیزی سے۔ یہ وہی اتاترک کی فارمولا ہے۔

18 سال عربی میں اذان پر پابندی، اور مستوجب سزا رہی۔ 29 جنوری 1932ء میں لاگو ہوئی۔ اذان ترکی میں دی جانے لگی۔ اس میں بھی 'اللہ' گوارا نہ ہوا۔ 'خدا' کا ترکی متبادل پکارا گیا۔ مساجد پر فوجی تعینات کیے جاتے۔ 1950ء میں عدنان میندریس کی حکومت آئی تو قوانین بدلے۔ 16 جون 1950ء کو عربی اذان کا قانون پاس ہوا تو 18 سال بعد تکبیر مسجد کے مناروں سے بلند ہوسکی۔ پبلک مقامات پر حجاب کی ممانعت تھی۔ پہلی خاتون رکن اسمبلی جس نے اسکارف پہننے کی جسارت اسمبلی میں کی، ترک شہریت سے محروم کردی گئی۔ ایک طویل نہایت دشوار گزار راہوں کا سفر ہے جس سے ترکی گزر کر اردگان تک پہنچا ہے۔ اس راستے میں عدنان میندریس نے پھانسی کی سزا پائی۔ مقدمے میں الزامات میں سے ایک عربی زبان میں اذان کی اجازت دینا بھی تھا۔ نیز سلطان عبدالحمید کی 85 سالہ بیوہ اور 60 سالہ بیٹی جو جلاوطن کردی گئی تھیں یورپ میں، انہیں ترکی واپس لاکر قومی خزانے سے ان پر خرچ کرنے کی دفعہ بھی لاگو تھی۔ (جو یورپ میں فیکٹری میں برتن مانجھ کر وقت پورا کررہی تھیں!) ایک ایک قدم سرکتے سرکتے (1999ء میں اردگان نے اسلامی نظم پڑھنے پر 4 ماہ جیل کی سزا بھی کاٹی) بمشکل تمام ترکی آج یہاں تک پہنچا ہے۔ کمال ازم کا تحفظ ترک مملکت کے آئین کا جزو لاینفک رہا ہے۔ آج بھی ترکی ریاست کے ستون کمال ازم اور سیکولرازم ہیں۔ شراب، جوا، سود، برہنگی، سیاحی اور ساحلی خرمستیاں، نائٹ کلب اب بھی درست کرنا آسان نہیں۔ سلطان محمد فاتح کی تاریخ ساز مسجد آیا صوفیہ کو آباد کرنا بھاری چیلنج ہے جس پر پورا اترنا آزمائش بن چکی ہے۔ چوکھی لڑتے اردگان کے لیے آسان نہیں۔ (باقی صفحہ 17 پر)

نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

اوریا مقبول جان
theharferaz@yahoo.com

پاکستان کے بائیس کروڑ عوام میں اگر مسلمانوں سے یہ رائے لی جائے کہ تم کوئی ایسا سکول، کالج یا یونیورسٹی چاہتے ہو جہاں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کی ارفع تعلیم بھی دی جائے تو چند مغرب زدہ، سیکولر، لبرل، بے روح دانشوروں اور مادر پدر آزاد تہذیب کے دلدادہ مٹھی بھر لوگوں کو چھوڑ کر کوئی بھی اس کی مخالفت نہ کرے۔ یہ لوگ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ آج کی جدید دنیا میں مقبولیت کو ناپنا بہت آسان ہے۔ اخبارات پڑھنے والوں میں سے نوے فیصد قارئین انٹرنیٹ پر اپنی اخباری پیاس بجھاتے ہیں۔ اگر آپ نے کسی بھی دانشور کی مقبولیت دیکھنا ہو تو، آپ انٹرنیٹ کا ایک چکر (Surfing) لگائیں، آپ کو خود بخود اندازہ ہو جائے گا کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ کونسا کالم نگار کتنا زیادہ پڑھا جاتا ہے، اور کس شخص کا شو زیادہ شوق سے دیکھا جاتا ہے۔ انٹرنیٹ پر مقبولیت کے پیمانے بالکل ایسے ہیں، جیسے گھروں کے باہر بجلی اور گیس کے میٹر لگے ہوتے ہیں۔ جتنے لوگ کسی شخص کو سنیں گے یا کسی کالم نگار کو پڑھیں گے، ان میٹروں میں اتنے ہی نمبروں کا اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ مذہبی جذبات اور اخلاقی معیارات سے کھیلنے والے یہ چند دانشور وہ ہیں جن کے پڑھنے والوں یا سننے والوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ یوں تو یہ طبقہ قیام پاکستان ہی سے اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا ہے۔ اس لیے کہ دنیا کے نقشے پر اسلام کے نام پر بننے والے ملک کا تصور ہی ان کی نیندیں حرام کرنے کے لیے کافی تھا۔ یہ دن رات اس کے خاتمے کی خواہش کرتے ہیں، اور دل میں کم از کم اسے مذہب سے دور ایک سیکولر لبرل ملک دیکھنے کی امیدیں ضرور پالتے رہتے ہیں۔ یہ چند گنے چنے دانشور میڈیا پر ایک عالمی ایجنڈے کے تحت زیادہ دکھائے اور زیادہ چھاپے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ میڈیا کی رگوں میں عالمی کارپوریٹ سرمائے کے اشتہاروں کا زہر خون کی طرح دوڑتا ہے۔ میڈیا کے عالمی ایجنڈے کے علمبردار ان چند لکھنے والوں کو اس لیے اچھالا جاتا ہے تا کہ ان کا کہا ہوا بظاہر عوام کی رائے نظر آئے۔ مشہور مصنف نوم چومسکی (Noam Chomsky) نے اپنی کتاب ''کاریگری سے عوام کو راضی کرنا'' (Manufacturing Consent) میں اس سارے طریقِ کار کا پول کھولا ہے۔ میڈیا کیسے چند لکھنے اور تبصرہ کرنے والوں کو ایک ایجنڈے کے تحت کچھ لکھنے اور بولنے کے لیے راضی کرتا ہے۔ یہ دانشور بھی میڈیا کے ایجنڈے کے مطابق خیالات رکھتے ہیں یا پھر خود کو اس میں ڈھال لیتے ہیں۔ اس کیفیت کو عرفِ عام میں ''ٹیون'' (Tune) ہو جانا کہتے ہیں۔ پھر ان سدھائے ہوئے دانشوروں کے مضامین اور گفتگو، پہلے علاقائی اور پھر دنیا بھر کے میڈیا پر یوں پیش کی جاتی ہے کہ جیسے یہی اس ملک کے عوام کی آواز ہے، جسے دقیانوسی حکومتوں نے دبا کر رکھا ہوا ہے۔ پاکستان کے حوالے سے اس میڈیا کارگردگی کی بہترین مثال ملالہ یوسف زئی ہے جسے شاید سوات میں بھی کوئی نہیں جانتا تھا، مگر میڈیا کی کاریگری نے اسے نوبل انعام کی سیڑھی پر پہنچا دیا، اور آج مغرب کا عام آدمی بھی یہ سمجھتا ہے کہ پاکستان کی مظلوم عورتوں کی آواز ملالہ ہے۔ یہ ہے وہ دھوکہ اور فریب کی کاریگری جس سے میڈیا عوامی رائے تخلیق کرتا ہے۔ اسی میڈیا کے مطابق صوفی محمد اگر پاکستان کے آئین کی کچھ شقوں کو غیر اسلامی کہتا ہے، تو وہ قابل گردن زدنی ہے۔ لیکن پاکستان کے آئین کی کچھ شقوں کو ایک جدید دانشور ''غیر انسانی'' اور ''غیر مہذب'' کہتا ہے تو علاقائی اور عالمی میڈیا اس دانشور کو آزادی اور حریت کا علمبردار بتاتا ہے۔ آئین پاکستان کے آرٹیکل 31 کے مطابق یہ کہا گیا ہے کہ ''مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر خود کو اسلامی تعلیمات کے مطابق جو قرآن و سنت میں متعین ہیں ترتیب دے سکیں''، اسی آرٹیکل کی جز (ب) میں کہا گیا ہے کہ ''ریاست قرآن کی لازمی تعلیم کے لیے سہولیات فراہم کرے''۔ لیکن جیسے ہی گورنر پنجاب چودھری سرور نے بحیثیت چانسلر تمام یونیورسٹیوں میں قرآن کی تعلیم کو آئینِ پاکستان کی روح کے مطابق لازمی قرار دیا تو یہی ''مخصوص چند ایک'' ایسے تڑپے جیسے ان کے جلے دل کے پھپھولوں میں کانٹا چبھو دیا گیا ہو۔ ان میں ایک اردو کے کالم نگار ہیں جو کبھی انگریزی میں لکھا کرتے تھے۔ یہ دنیا کے واحد دانشور ہیں جو دنیا بھر سے انوکھے خیالات رکھتے ہیں۔ دنیا شراب نوشی کے نقصانات پر اتنی سنجیدہ ہو چکی ہے کہ اسے بیماری سمجھ کر میڈیکل سائنس کی تعلیم کا حصہ بنا دیا گیا ہے اور شراب نوشی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے دن رات ادویات ایجاد ہو رہی ہیں، مگر یہ صاحب اپنے کالموں میں شراب نوشی کے آداب پر گفتگو کرتے ہیں۔ دنیا بھر کے ڈاکٹر اس نشے کی عادت کے بارے میں بتاتے ہیں کہ کیسے ایک سگریٹ کے کش سے انسان ہیروئن تک جا پہنچتا ہے اور کیسے ایک گھونٹ شراب سے بندہ عادی شرابی (Alcoholic) بن جاتا ہے۔ لیکن موصوف اس کی جانب رغبت دلانے کے لیے کالموں میں ایک سماں باندھتے ہیں۔ انہوں نے گورنر چودھری سرور کی جانب سے قرآنی تعلیم کا تمسخر اڑاتے ہوئے اقبال اور قائداعظم کی مغربی یونیورسٹیوں کا حوالہ دیا کہ جہاں انہوں نے تعلیم حاصل کی تھی۔ کاش وہ یہ جانتے کہ اقبال اور قائداعظم دونوں نے ان مغربی یونیورسٹیوں کی تعلیم کو مسترد کرتے ہوئے قرآن کی تعلیمات کو اپنا آئیڈیل بنایا۔ اقبال کا تو ہر شعر کسی ایک قرآنی آیت کی تفسیر ہے اور یہ شعر تو اعلان کرتا ہے کہ

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

(ترجمہ) ''اگر تو مسلمان کی زندگی گزارنا چاہتا ہے تو یہ قرآن کے بغیر ناممکن ہے''۔ قائداعظم سے زیادہ مغربی تہذیب و تعلیم کا ناقد تو آج تک برصغیر میں پیدا ہی نہیں ہو سکا۔ اس قائداعظم کی سٹیٹ بنک کے افتتاح پر کی گئی زندگی کی آخری تقریر مغربی تہذیب کا نوحہ ہے جس میں وہ پکار کر کہتے ہیں کہ، ''مغربی تہذیب نے اس قدر گند ڈالا ہے کہ اب اسے کوئی معجزہ ہی بچا سکتا ہے''۔ باقی دو دانشور وہ ہیں جنہوں نے انگریزی اخبارات میں اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے قرآن کی تعلیم کے خلاف مضامین لکھ

کر آئین کا مذاق اڑایا۔ ان میں ایک تو پاکستان کے انسانی حقوق کمیشن کے اکثر سربراہ بھی بنتے رہتے ہیں۔ ان کی بددیانتی کا عالم یہ ہے کہ منو بھائی کی تعزیتی تقریب میں جب انہوں نے ذوق کا یہ شعر پڑھا جس کا مصرعہ یہ تھا، ''پل بنا، چاہ بنا، مسجد وتالاب بنا'' تو اس میں سے موصوف جان بوجھ کر مسجد کا لفظ نہ بولے۔ جن لوگوں کا اسلام سے بغض وعناد کا عالم یہ ہو اور جن کی اخلاقی بددیانتی اتنی گہری ہو کہ انہیں شعر میں بھی مسجد کا لفظ بولنا گوارا نہ ہو، ایسے لوگوں سے کیا گلہ۔

تیسرے صاحب نے بھی انگریزی میں اپنی درفنطنیاں چھوڑی ہیں۔ والدین نے ان کا نام تو غازی رکھا تھا، لیکن جوان ہوئے تو شہیدِ تہذیبِ مغرب ہو گئے۔ ان سب میں سے کسی کے پاس کوئی دلیل نہیں کہ ایسا کیوں نہ کیا جائے، بس ایک ایجنڈے کے مطابق لکھنا تھا لکھ دیا۔ قرآن پاک کی براہِ راست تعلیم کا خوف اس قدر ہے کہ دلوں کی جلن قلم کی سیاہی میں صاف نظر آتی ہے۔ یہ میرے ملک میں چند ہزار دین بے زار لوگوں کے میڈیا میں نمائندے ہیں۔ آپ ''میڈیا کی کاریگری'' دیکھیں کہ انہیں عوام کے جذبات کا عکاس بنا کر پیش کیا جا رہا ہے مگر تاریخ کی ایک حقیقت ہے کہ معاشرہ جتنا بے سکون، بے چین، مضطرب، پریشان اور بدحال ہوگا، قرآن اتنا ہی دلوں کے چین کے لیے لوگوں میں مقبول ہوگا۔

دعائے مغفرت

انا للہ وانا الیہ راجعون

☆ حلقہ لاہور غربی، ٹاؤن شپ تنظیم کے مبتدی رفیق شفیق احمد (کمانڈو) وفات پا گئے۔

☆ حلقہ کراچی شمالی، بفرزون شادمان کے مقامی امیر جناب یوسف شعیب کی والدہ وفات پا گئیں۔
برائے تعزیت: 0321-3761749

☆ قرآن اکیڈمی، لاہور کے سینئر کارکن آزاد خان وفات پا گئے۔

☆ تنظیم اسلامی ملتان کینٹ کے رفیق فاروق عزیز خان کے بھائی وفات پا گئے۔

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ قارئین سے بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ فِیْ رَحْمَتِکَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

گفتار و کردار کا غازی! سید منور حسنؒ

احمد علی محمودی

5 اگست 1944ء کو پیدا ہونے والے سید منور حسن کا تعلق دہلی کے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ، متمول اور دینی اقدار کے حامل خاندان سے تھا، جس نے پاکستان کے قیام کے بعد اوّل دہلی سے لاہور بعد ازاں کراچی میں سکونت اختیار کر لی۔ سید منور حسن اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ ان کے اندر بچپن ہی سے قائدانہ صلاحیتیں موجود تھیں۔ تقریری مباحثوں میں حصہ لینا ان کا شوق اور مشغلہ تھا۔ گورنمنٹ کالج ناظم آباد میں اس وقت کی بائیں بازو کی طلبہ تنظیم نیشنل سٹوڈنٹ فیڈریشن (این ایس ایف) میں شامل ہوئے اور جلد اس کی کراچی شاخ کے صدر بن گئے۔ اسی دوران ان کا رابطہ اسلامی جمعیت طلبہ کے بعض مخلص کارکنوں سے ہوا، جنہوں نے ان کو جمعیت میں شامل ہونے کی دعوت دی اور مولانا مودودیؒ کا لٹریچر پڑھنے کو دیا۔ خاندانی دینی پس منظر کی وجہ سے انہوں نے اس لٹریچر کا مطالعہ شروع کیا تو ان کی دنیا ہی بدل گئی اور وہ بائیں بازو سے دائیں بازو کے لیڈر بن گئے۔ اسلامی جمعیت طلبہ میں شامل ہونے کے بعد پھر مڑ کر کبھی پیچھے نہیں دیکھا۔ پروفیسر خورشید احمد، ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری، خرم جاہ مراد، اور محبوب علی شیخ نے اس جوہر قابل کو فوری طور پر اپنی تربیت میں لے لیا اور اسے جمعیت کا بہترین نظریاتی رہنما بنا دیا۔ 1962ء میں وہ اسلامی جمعیت طلبہ کراچی یونیورسٹی اور 1963ء میں اسلامی جمعیت طلبہ کراچی کے ناظم منتخب ہوئے۔ وہ مسلسل تین مرتبہ 27 دسمبر 1964ء سے 19 نومبر 1967ء تک اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ 1963ء ہی میں کراچی یونیورسٹی سے انہوں نے سوشیالوجی اور 1966ء میں اسلامک اسٹڈیز میں ماسٹر کیا۔ 13 جنوری 1968ء میں جمعیت سے فارغ ہوتے ہی وہ جماعت اسلامی میں شامل ہو گئے اور جلد ہی انہیں پہلے نائب قیم، پھر قیم اور 1989ء میں کراچی جماعت کا امیر مقرر کیا گیا۔ مارچ 1977ء کے عام انتخابات میں انہوں نے کراچی سے قومی اسمبلی کا الیکشن لڑا اور پاکستان بھر میں سب سے زیادہ ووٹوں کی لیڈ سے کامیابی حاصل کی۔ ان کے مقابلے میں پیپلز پارٹی کے امیدوار ممتاز دانشور جمیل الدین عالی تھے۔ سید منور حسن اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی کے ڈائریکٹر بھی رہے، ان کی نگرانی میں اس اکیڈمی نے 70 سے زائد کتب شائع کیں۔ آپ اسلامک ریسرچ اکیڈمی سے شائع ہونے والے انگریزی جریدے The Criterion اور The Universal Message کے ایڈیٹر بھی رہے۔ سید منور حسن جنوری 1989ء سے نومبر 1991ء تک جماعت اسلامی کراچی کے امیر کے منصب پر فائز رہے۔ سید منور حسن 2009ء میں بھاری اکثریت سے جماعت اسلامی پاکستان کے چوتھے امیر مقرر ہوئے اور 2014ء تک اس منصب پر فائز رہے۔ انہوں نے 76 سال کی عمر میں وفات پائی۔

اللہ اُن کی مغفرت فرمائے اور جنت میں اُن کے درجات بلند فرمائے اور اُن کے صُلبی اور فکری پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین! ☆☆☆

بقیہ: کار تریاقی

ترکی کا اسلام، اسلامی جمہوریہ پاکستان کے لیے معیار کیسے بن سکتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے چند ماہ کے رینگتے بچے کو دیکھ کر، بالغ عاقل جوانمرد رینگتے، منہ میں انگوٹھا لے کر بیٹھنے لگ جائے۔ اردگان چہار جانب اسلام دشمنی میں گھرا اگر فلمیں بنا کر اپنی بے دینی پر پلی رعایا کا سامان تربیت کر رہا ہے تو وہ ہمارے لیے کسی طور نمونہ عمل نہیں بن سکتا۔ ہمیں قرآن وسنت، مساجد، مدارس کے ہوتے ہوئے حرام ذرائع سے، ہالی وڈ نما کرداروں سے اسلام پڑھنے پر کورونا نہ آ چمٹے گا تو اور کیا ہوگا۔ ہماری عقلیں ٹڈی دل چر گیا ہے کیا؟ اللہ پاکستان میں اسلام اور اہل دین کو سلامت رکھے۔ اس کے خلاف تمام سازشیں ناکام بنائے اور ترکی کے اسلام پر لوٹنے کا راستہ آسان کر دے۔ اللہ ہمیں حقیقی ارطغرل کردار، سلطان محمد فاتح جیسے بیٹے عطا کرے (آمین)

تاریخ کی مستند کتابیں اٹھائیے، پڑھیے۔ دعا تو یہی ہے کہ:

عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے
نگاہِ مسلماں کو تلوار کر دے

☆☆☆

Trump Wants Out of Afghanistan, Establishment Says "Not So Fast!"

Donald Trump would like to brag to the American people that he ended the war in Afghanistan—the longest-running war in US history. He has repeatedly said he wants all American troops out of Afghanistan before the November 3 elections. Such a pullout might provide an "October Surprise" to win over voters, especially the independents in swing states who will decide the election.

All of the many published accounts by ex-White House insiders agree that Trump sincerely wants to leave Afghanistan, but has been stymied by opposition from advisors and military leaders. The latest revelations to that effect came in ex-national security adviser John Bolton's new book The Room Where It Happened, which recounts how on November 8, 2018 Trump lashed out at James "Mad Dog" Mattis: "I gave you what you asked for. Unlimited authority, no holds barred. You're losing. You're getting humiliated. You failed."

Trump was referring to the uselessness of dropping MOABs (Massive Ordnance Air Blast, or mother of all bombs) on eastern Afghanistan. The American cowards pulverized large swathes of Afghanistan and killed untold numbers of innocent people by dropping MOABs from planes flying at a safe height. Such despicable actions underlined the pusillanimity of American airmen and drone operators—who don't mind killing huge numbers of innocent brown-skinned people but are terrified of putting their own lilly-white selves in the line of fire—but had no tactical or strategic effect on the war.

Bolton's book casts the so-called peace negotiations as a complete farce. According to Bolton, Trump called his own lead negotiator, Zalmay Khalilzad, a "con man," while repeatedly confusing current Afghan President Ashraf Ghani with ex-President Hamid Karzai. But Bolton is not an impartial observer. He fiercely opposed negotiations with the Afghan Taliban, which he considered tantamount to admitting defeat. Bolton, who never met a war he didn't like, apparently is perfectly happy with the bloody and futile status quo in Afghanistan. Perhaps he has invested in heroin trafficking there, which is the main reason—some say the only reason—the US continues to maintain a presence. (Indeed, the main reason the US-puppet "Afghan government" of druglords has been working overtime to sabotage the so-called peace negotiations, from which they were pointedly sidelined, is their desire to protect their dominant and extremely lucrative position in the heroin industry.)

Not only warmongering civilian advisors like Bolton, but also more experienced military leaders, have consistently pushed back against Trump's insistence that he wants the US out of Afghanistan. As I wrote in this magazine almost two years ago: "Bob Woodward's book Fear notes that both Tillerson's 'moron' remark, and Mattis's 'sixth-grader' assessment, were responses to Trump's rejection of American imperialist exceptionalism at a January 19, 2018 National Security Council meeting in the Situation Room. That meeting had been arranged by deep-state denizens John Kelly, H.R. McMaster, Tillerson, and Mattis for the specific purpose of brainwashing Trump into accepting their 'we must police the world' outlook. Trump belligerently refused. His final remark was, 'We [have] spent $7 trillion in the Middle East. We can't even muster $1 trillion for domestic infrastructure.' Over and over, throughout Woodward's book, we see Trump trying to pull US forces out of Afghanistan, Iraq, Syria, and Korea…

throughout Woodward's book, we see Trump trying to pull US forces out of Afghanistan, Iraq, Syria, and Korea… and his deep state aides panicking and sabotaging his efforts."

Trump's oft-stated desire to pull out of Afghanistan ahead of the November elections may be a major factor driving the chorus of current and former military leaders denouncing Trump for his handling of the Black Lives Matter protests. Former military and intelligence leaders James Mattis, John Kelly, John Allen, Mike Mullen, Richard Meyers, Martin Dempsey, William Perry, William McRaven, James Stavridis, Ramond Thomas, and Mike Hayden all spoke out against Trump's clumsy and Constitutionally-dubious threats to send the military to fight protesters. Current leaders who explicitly or implicitly flouted Trump's approach included Army Chief of Staff General James McConville, Chief of Naval Operations Admiral Mike Gilday, Air Force Chief of Staff General David Goldfein, National Guard Bureau Chief General Joseph Lengyel, and of course Chairman of the Joint Chiefs of Staff General Mark Milley, who pointedly regretted his participation in Trump's botched photo op during the height of the protests.

Are all of those military leaders sincere anti-racists? Some, perhaps…though if so, one wonders why they have been willing to participate in the post-9/11 holocaust of 27 million mostly brown-skinned Muslim people. In any case, Trump's insistence on leaving Afghanistan and other "forever wars" may be the most important reason that the duly elected (more or less) US president has lost the confidence of top military brass. The good news is that by alienating the generals, Trump has made it harder for himself to pose as the heroic defender of law and order who will restore normalcy by cracking down on Black Lives Matter protests, and the riots and autonomous zones they and/or their infiltrators have spawned. The bad news is that Trump's political weakness may prevent him from pulling out of Afghanistan. In a worst case scenario, if the US started melting down into widespread riots and near-civil-war, Trump could make a deal with the generals: I'll let you stay in Afghanistan, and wherever else you like, if you support my crackdown. Such a deal with the devil, if it included such measures as postponing or canceling the election, could doom what is left of the American Republic, paving the way for the president to become a lifelong military dictator.

Such a scenario is not as farfetched as it seems. Throughout history, republics have morphed into imperial dictatorships almost overnight. Well known examples include Caesar's famous crossing of the Rubicon in 49 BC, which effectively ended the 500-year-old Roman republic; Napoleon's self-coronation as Emperor in 1804; and Hitler's overthrow of the Weimar Republic via the false flag Reichstag Fire in 1933.

Though Trump fancies himself the equal of Caesar and Napoleon, and is said to favor Hitler's speeches as bedtime reading, it seems unlikely that he will convince anyone but himself that he is the Great Man destined to lead America into a new era. But there is at least a chance he will go down in history as the president who finally got America out of Afghanistan, the proverbial graveyard of empires. A more likely possibility is that he will be seen as the president who couldn't get out of Afghanistan, and who, through sheer incompetence compounded by repulsive narcissism, did more than any other to put the US empire in its well-deserved grave.

Source: ***Adapted from an article by Kevin Barrett; posted on https://www.icit-digital.org/***

Note: ***The editorial board of Nida e Khilafat may not agree with all information provided, analysis made and conclusions drawn in the article.***

Vol. 29 Regd. C.P.L NO. 114 No.23

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore